جلد 16 شمارہ 3 ماہ مارچ 2014ء جمادی الاول 1435ھ

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیّت

فلاحِ آدمیّت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ

بانی مجلہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: محمد یعقوب توحیدی شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

0344-9000042

مدیر: احمد رضا خان 0321-6400942

نائب مدیر: سید رحمت اللہ توحیدی 0333-4552212

معاون مدیر: خالد محمود توحیدی 0300-7374750

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی

ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین

پیر خان، عتیق احمد عباسی

ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی

پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph: 0344-9000042/ 055-3862835/055-4005431

فیکس نمبر: +92-55-3736841 ای میل: info@tauheediyah.com

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

سالانہ کنونشن

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا روح پرور سالانہ اجتماع

مورخہ 11، 12 اپریل 2014ء بروز جمعہ، ہفتہ کو منعقد ہوگا

خالصتاً اللہ کے قرب و محبت اور اس کی رضا کے حصول اور روحانی فکر کو تازہ کرنے کیلئے، تزکیہ نفس اور اصلاح قلب کی ان مجالس میں اہتمام کے ساتھ شرکت فرما کر انوارو برکات سے مستفیض ہوں۔

بمقام: **مرکز تعمیر ملت**

وحید کالونی نزد کوٹ شاہاں (پیرو شہید بس سٹاپ)

جی ٹی روڈ **گوجرانوالا**

رابطہ نمبر: 03449000042

055-3862835

ضروری ھدایات

کنونشن میں آپ اعلیٰ مقصد کے حصول یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اکٹھے ہونگے ۔ مثالی نظم وضبط کا مظاہرہ کریں جس میں توحیدی رنگ نظر آئے ۔دوران اجتماع ہر وقت باوضو اور پاس انفاس کا اہتمام کریں، ایک لمحہ بھی اللہ کی یاد (ذکر) سے غافل نہ ہوں، دوسرے بھائیوں کے آرام کا خیال رکھیں اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہوئے سابقہ روایت کے مطابق ایثار کا مظاہرہ کریں۔

اپنا فارغ وقت باہمی میل ملاقات ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرنے اور سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم اور فکر کو تازہ کرنے کیلئے استعمال کریں۔ نئے بھائیوں کا شیخ سلسلہ اور دوسرے بھائیوں سے تعارف ضرور کروائیں۔دوران اجتماع بھائیوں کے اظہار خیال کے سیشن میں "میں توحیدی کیونکر کر بنا" کے عنوان سے مختصر گفتگو تیار کر کے آئیں۔

تمام بھائی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی مطبوعہ کتابوں کا دوبارہ مطالعہ کریں اور خوب دل لگا کر تعلیم پر عمل کریں۔

خاص ہدایات برائے خادمان حلقہ

تمام خادمانِ حلقہ اور مجازین کرام اجتماع پر پڑھنے کیلئے توحیدیہ مشن پر دس پندرہ منٹ کا مقالہ تیار کر کے لائیں۔تجدید بیعت فارم جو دینا باقی ہیں اور تمام مریدین اور طالبین کے کوائف نام، پیشہ، پوسٹل ایڈریس، موجودہ موبائل نمبر کی لسٹ ہمراہ لائیں۔مجلّہ کی رکنیت جو آپ کے توسل سے کروائی گئی اس کی لسٹ مجلّہ فنڈ کا ریکارڈ ہمراہ لائیں۔مزید مجلّہ کی رکنیت سازی کیلئے لسٹ فراہم کریں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے منسلک بھائیوں سے استدعا ہے کہ آپکے پاس خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور قبلہ محمد صدیق ڈارؒ کے مکتوب، فوٹوز، ملفوظات کی آڈیو، وڈیوہوں یا تحریری مواد موجود ہو تو ان کی فوٹو کاپی یا فلیش میں کنونشن پر ساتھ لیکر آئیں تا کہ کاپی کر کے مجلّہ میں شائع کیا جا سکے مزید قرآنی و روحانی فکر پر مشتمل مجلّہ کے لئے بھائی معیاری و مستند تحریریں بھی باقاعدگی سے ارسال کیا کریں۔

مزید برآں اپنی مفید تجاویز و آراء سے بھی نوازیں۔

درس قرآن: (سورة حٰمٓ السَّجْدَة) سید قطب شہید

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَىٰ بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ (51)

ترجمہ: "اور جب انسان پر انعام کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے اور پہلو پھیر کر چل دیتا ہے اور جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دُعائیں مانگنے لگتا ہے۔"

خیر و شر کے وقت انسانی فطرت کی عُریانی

خوش حالی اور آسودگی میں انسان اللہ کو بھول جاتا ہے، اور اس کو بتایا جائے کہ یہ انعام اللہ تعالیٰ نے کیے ہیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنا چاہیے اور اس کے حقوق ادا کرو تو اسے ایسی باتیں ناگوار گزرتی ہیں اور تلخ محسوس ہوتی ہیں جنہیں سننا بھی گوارا نہیں کرتا اور اُٹھ کر چلا جاتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اچھائیاں طلب کرنے سے نہیں تھکتا، اس میں اصرار کرتا ہے، اس کو بار بار دہراتا ہے، اپنے لئے خیر طلب کرتا ہے اور اس سے ملول نہیں ہوتا، نہ اس کی طلب سے اکتاتا ہے۔ اور اگر اس کو شر چھو جائے، صرف چُھو ہی جائے، تو اُمید و رجاء کی رسّی کو ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ اس وقت اس پر مایوسی کا غلبہ ہوتا ہے، سمجھتا ہے کہ بچاؤ اور راحت کا کوئی راستہ نہیں ہے اسباب کی اُمیدیں منقطع ہو جاتی ہیں، اس کا سینہ تنگ اور اسکا غم و الم بہت عظیم ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کی رحمت سے نا اُمید ہو جاتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کو اپنے ربّ پر وثوق، توکل بہت کم ہے اور اللہ کے ساتھ رابطہ و تعلق بہت کمزور ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت سے نجات دے بھی دے تو بعد میں وہ پھر وہی کچھ بن جاتا ہے جو پہلے تھا۔ بہت کم ہی لوگ ہیں جو اس کے فرمانبردار بن جاتے ہیں، اکثریت ایسی ہی ہوتی ہے جو خوش حالی کے دور میں اپنے ربّ کو بھول جاتی ہے۔

انسان کی دوسری کمزوری یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کو ضرر کے بعد اپنی نعمت کا مزہ چکھاتا ہے تو نعمت اس کو خفیف بنا دیتی ہے، وہ شکر کو بھول جاتا ہے۔ راحت اس کو ہلکا کر دیتی ہے اس طرح وہ اللہ سے غافل ہو کر کہتا ہے میں اس راحت و آسائش کا مستحق ہوں، اس کو میں نے استحقاق کی بدولت پایا ہے اور یہ مجھ پر ہمیشہ رہے گی اور وہ آخرت کی جوابدہی کو بھلا دیتا ہے بلکہ اس کے وجود کو بعید جانتا ہے کہتا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے۔ وہ غلط طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنا مقام بنا بیٹھتا ہے جو دراصل نہیں ہے۔ غرور اور زعم میں آکر آخرت کا انکار کرتا ہے جو کفر ہے اس کے باوجود وہ اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ اگر وہ اللہ کے ہاں گیا بھی تو اپنے وقار اور وجاہت سمیت جائے گا، یقیناً میرے رب کے ہاں اچھائی ہوگی۔ یہ ڈینگ غرور کے سوا کچھ نہیں۔

متضاد احوال میں انسان کی حیرت ناک تبدیلیاں

انسان کا حال بڑا حیرت ناک ہے، جب اس پر اللہ تعالیٰ انعام فرمائے تو متکبر و مغرور اور سرکش بن جاتا ہے، منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بدل لیتا ہے، مگر جب کسی بلا میں پھنس جاتا ہے یا اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو جان بوجھ کر ذلیل بن بیٹھتا ہے واویلہ کرتا ہے، پستی میں گر جاتا ہے۔ چھوٹے پن کا مظاہر کرتا ہے، منت وسماجت کرتا ہے اور اظہار عاجزی کرتا ہے۔ اس وقت اسے اپنا پروردگار یاد آنے لگتا ہے جس کی آیات سن کر بدکتا تھا۔ اور اس وقت لمبی لمبی دُعائیں کرتا ہے۔ یہ نفس انسانی کی گہری اور سچی تصویر ہے، جو خالق کائنات نے کھینچی ہے جو نفس انسانی کی گہرائیوں سے اچھی طرح واقف ہے۔

حقوقِ نفسی

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

اللہ تعالیٰ نے **سورہ بقرہ** میں حکم دیا ہے کہ اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو، یعنی اس کی حفاظت کرو اور سورہ مائدہ میں ارشاد فرمایا ہے "اے ایمان والو تم پر اپنی جان کی فکر لازم ہے"
رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **ولنفسك عليك حق**
یعنی "تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے" اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو سب سے پہلے اپنے نفس کی بقاء اور درستی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد بھی اس کے بعد ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر آدمی کا نفس ہی ہلاک ہوجائے یعنی آدمی مرجائے تو وہ نہ حقوق اللہ ادا کرسکتا ہے نہ حقوق العباد۔ اسی طرح یہ بھی ظاہر ہے کہ آدمی جتنا بیمار، کمزور، کم عقل، کم علم اور نا تجربہ کار ہوگا اتنا ہی اللہ اور مخلوق کے متعلق اپنے فرائض اچھی طرح انجام دینے میں قاصر رہے گا۔ اس لئے انسان کو چاہیئے کہ اس کی اپنی ذات کے متعلق جو حقوق و فرائض اس پر عائد ہوتے ہیں سب سے پہلے ان کو پوری طرح انجام دے۔ وہ فرائض یہ ہیں **صحت۔ علم و تجربہ۔ عزت نفسی۔ خود اعتمادی۔ عمل**

صحت: قیام صحت کے لیے یہ باتیں ضروری ہیں:۔

1۔ **طہارت:** جسم کی، لباس کی اور خیالات کی۔ خیالات کی پاکیزگی، ایمان کامل، صحیح قسم کی نماز اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے پیدا ہوتی ہے۔

2۔ **غذا:**۔ غذا ایسی کھانی چاہیئے جو زود ہضم اور زیادہ خون پیدا کرنے والی ہو۔ کھانا اس وقت کھانا چاہیئے جب خوب بھوک لگے اور دو نوالے کی اشتہا باقی رہ جائے تو ہاتھ روک لینا چاہیئے۔ غذا آہستہ آہستہ اور خوب چبا کر کھائی جائے۔ کھاتے وقت طبیعت خوب خوش اور بشاش ہونی چاہیئے۔ تفکر اور غصہ کی حالت میں کھایا ہوا کھانا اچھی طرح جزو بدن نہیں ہوتا۔ گوشت جہاں تک ہو کم کھایا جائے کیونکہ اس سے غصہ اور بہیمیت زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے گوشت کو جائز

قرار دیا ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دونوں وقت بغیر گوشت کے لقمہ ہی نہ ٹوٹے۔ گوشت دماغ میں گرمی پیدا کرتا ہے حالانکہ دنیا میں کامیابی کیلئے ٹھنڈے مزاج کی اشد ضرورت ہے۔

3۔**لباس:** سادہ پائیدار اور کم قیمت پہننا چاہیئے۔قیمتی اور بھڑکیلے لباس سے غرور نخوت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ لباس پاک، صاف ستھرا اور وضع قطع کے لحاظ سے دیدہ زیب اور حدود شرعی کے اندر قومی فیشن کے مطابق ہو۔لباس گرمی سردی وغیرہ کے لحاظ سے موسم کے مطابق آرام دہ ہونا چاہیئے۔زیادہ قیمتی لباس سے زندگی کے اور اخراجات بھی بہت بڑھ جاتے ہیں۔

4۔**مکان:** مکان پکا ہو یا کچا، محل ہو یا جھونپڑی آئینہ کی طرح صاف ستھرا ہونا چاہیئے۔گندے مکان کا اثر مکینوں کے مزاج اور ذہن پر ہمیشہ برا ہوتا ہے۔

5۔**پابندی اوقات:** اس کا صحت پر بہت ہی اچھا اثر پڑتا ہے کیونکہ زندگی باقاعدہ گزرتی ہے۔ دن رات چوبیس گھنٹوں کو اس طرح بانٹا جائے کہ کام، عبادت اور تفریحات سب کے لئے مناسب وقت مل جائے۔قیام صحت اور پابندی اوقات کے لیے سب سے پہلی اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ رات کو انسان جلد از جلد سو جائے اور صبح سورج نکلنے سے کم از کم ایک گھنٹہ قبل ضروری اٹھ بیٹھے۔رات کو زیادہ دیر تک جاگنا، زیادہ پڑھنا اور دیر تک کھیلنا صحت کے لئے سم قاتل سے کم نہیں۔صبح سویرے اٹھنے کے فوائد کون نہیں جانتا۔

6۔**غسل:** غسل روزانہ کرنا چاہیئے۔پانی موسم اور اپنی مرضی کے مطابق گرم یا سرد ہونا چاہیئے۔

7۔**عبادت:** ۔صحت کے قیام کیلئے عبادت بھی بہت ضروری ہے۔اس سے دماغ کو سکون اور دل کو طاقت اور راحت حاصل ہوتی ہے اور تفکرات کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔

8۔**ورزش اور کھیل کود:** یہ بھی ضروری اور اہم ہیں خواہ دیسی ہوں یا مغربی قسم کے۔ورزش کا بہترین وقت طلوع آفتاب اور کھیلوں کا بہترین وقت عصر اور مغرب کے درمیان ہے۔جو لوگ ورزش نہ کر سکیں ان کو صبح سورج نکلنے سے پہلے اور شام کو مغرب کے بعد یا ذرا پہلے اس قدر چہل

قدمی کرنا چاہئے کہ کسی قدر تکان ہو جائے۔

9۔**کام:** کام اتنا کیا جائے کہ تکان ہو جائے۔دماغی اور تحریری کام کرنے والوں کو کھانا کھانے کے کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ بعد کام شروع کرنا چاہئے، ایسے لوگوں کو صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا ہلکا اور کسی قدر کم کھانا چاہئے۔کام میں لگے رہنے سے صرف صحت ہی اچھی نہیں رہتی بلکہ رنج وغم اور تفکرات بھی پاس نہیں بھٹکنے پاتے۔

10۔**تفریح:** کام ختم کرنے اور رات کو کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر تفریح کرنا بھی ضروری ہے۔ بہترین تفریح یہ ہے کہ دوستوں یا اپنے بال بچوں میں بیٹھ کر خوب ہنسی، دل لگی اور مذاق کی باتیں کی جائیں۔خوب ہنسو اور ہنساؤ۔جب کھانا تحلیل ہو جائے تو عشاء کی نماز پڑھتے ہی سو جاؤ۔ ایک مسلمان کے لئے صرف صحت کا تحفظ ہی کافی نہیں بلکہ ہر مسلمان کو اتنی جسمانی طاقت پیدا کرنی چاہئے کہ وہ بیک وقت کم از کم دو کافر دشمنوں کا مقابلہ کر سکے۔اسلام کی عزت اور اپنے ناموس کی حفاظت کیلئے یہ چیز آج کل بہت ہی ضروری ہے۔

2۔**علم اور تجربہ:** زندگی آرام وعزت سے گزارنے کے لئے علم وتجربہ حاصل کرنے کی اشد ضرورت ہوتی ہے اس سے عقل بڑھتی ہے۔کسب معاش میں سہولت ہوتی ہے اور دنیا میں عزت ملتی ہے۔علم ایسا حاصل کرنا چاہئے جس سے دین اور دنیا والوں کی سمجھ پیدا ہو اور قوم کی انفرادی اور اجتماعی ترقی میں مدد ملے۔تجربہ حاصل کرنے کے لئے مختلف قسم کی صحبتوں میں بیٹھنا اور لوگوں کے افعال واقوال اور حرکات وسکنات کا بغور مطالعہ کرنا چاہئے۔سفر سے تجربہ حاصل کرنے میں بے انتہا مدد ملتی ہے۔ممکن ہو تو ہر سال ایک مرتبہ دو ایک دن کے لئے تفریحاً آس پاس کے شہروں، جنگلوں اور دیہات میں جانے کا تو کوئی ضروری بندوبست کرنا چاہئے۔اچھے مصنفوں کی کتابیں علم وتجربہ دونوں کو بڑھانے میں قابل قدر مدد دیتی ہیں۔

3۔**عزت نفسی:** شرافت اور نیکی پر قائم رہنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خود اپنی نظر میں

عزت والا ہو۔جو شخص خود اپنی نظر میں ذلیل ہوگا دوسروں کی نظر میں ہرگز معزز نہیں ہوسکتا۔اگر دھو کہ یا غلطی سے کچھ لوگ اس کی عزت کریں تو آخر میں قلعی کھل جائے گی۔اپنی نظر میں انسان کی عزت اسی حالت میں قائم رہ سکتی ہے جب وہ نیک ہو۔عزت نفسی قائم رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تنہائی میں بھی انسان کے خیالات پاکیزہ رہیں اور کسی برے کام کا خیال بھی آئے تو وہ شرمندہ ہوجائے۔لیکن یہ اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر محسوس کرتا ہو اور یہ بات جیسا کہ بیان ہوچکا ہے ایمان کامل ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

4۔**خود اعتمادی:** دنیا میں کامیاب زندگی گزارنے کے لئے بڑی شرط یہ ہے کہ انسان کو خود اپنے اوپر اعتماد ہو۔اعتماد اس بات پر کہ میں اس کام کو واقعی پوری قابلیت سے انجام دے سکتا ہوں۔ اعتماد اس بات پر کہ میں ایسی کوئی حرکت قبیح اور ناشائستہ نہیں کرسکتا جس سے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی ہوتی ہو۔اعتماد اس بات پر کہ میں شریف ہوں مسلمان ہوں اور مومن ہوں۔

5۔**عمل:** دنیا اور دین میں کامیابی کے لئے عمل بھی ضروری ہے۔عمل کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔انسان کتنا ہی عقلمند ہو، عالم اور فاضل ہو، جب تک عمل نہ کرے گا پتھر کی طرح اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکے گا۔اس لئے علم و تجربہ حاصل کرنے کے بعد اپنا ایک نصب العین مقرر کرلینا چاہئے کہ میں زندگی میں فلاں شے یا فلاں مرتبہ حاصل کر کے رہوں گا۔پھر اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے ایک دستور العمل بنانا چاہئے۔پھر خوب کوشش کرنی چاہئے کہ وہ نصب العین حاصل ہوجائے۔نصب العین اپنے ذرائع کی ممکن حدود کے مطابق ہونا چاہئے۔ جب ایک نصب العین حاصل ہوجائے تو البتہ دوسرا اور پہلے سے اعلیٰ نصب العین متعین کر کے اس کے حصول کی کوشش شروع کی جاسکتی ہے، یہاں تک کہ عمر تمام ہوجائے۔مطلب یہ کہ خالی اور بیکار پڑے رہنا کسی طرح بھی شریف انسان کے شایان شان نہیں۔جانور بھی بیکار نہیں رہتے اپنی اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں۔

توکل علی اللہ اور اطمینان قلب

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ)

ہم سب اس حقیقت کو دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ کے حبیب ﷺ کا کامل اتباع کیے بغیر اللہ کی محبت اور اس کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ شریعت کی ظاہری پابندی کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کے باطنی اوصاف کا اتباع بھی نہایت اہم ہے۔ آپ ﷺ کا باطنی اتباع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل توکل کرتے ہوئے شیوہ تسلیم و رضا اختیار کیا جائے۔ ہر مشکل اور ہر مصیبت میں اللہ کی قدرت اور تائید و نصرت کے بھروسہ پر دل کا مطمئن رہنا توکل علی اللہ کا شیریں ثمرہ ہے۔ اور اس کے بغیر ایمان کامل ہو ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِيْنَ (المائدہ: ۲۳) یعنی "اللہ ہی پر توکل رکھو، اگر تم مومن ہو"۔ اسی طرح سورہ یونس کی آیت ۸۴ میں فرمایا: وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِيْنَ ○ "اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اے بھائیو! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اس پر توکل بھی رکھو، اگر تم اطاعت گزار ہو"۔ ان آیات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اس کی تمام صفات اور اس کی قدرت اور طاقت پر توکل اور بھروسہ کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر مومن میں اعلیٰ درجہ کی ایمانی، اخلاقی اور روحانی طاقت پیدا ہو سکتی ہے نہ ہی اطمینان قلب اور دائمی مسرت جیسی لازوال دولت ہی ہاتھ لگ سکتی ہے۔ ایک مومن اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ تقدیریں بنانے اور بگاڑنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ زندگی موت، عزت ذلت، صحت بیماری، دکھ سکھ، امیری غریبی سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے سورہ التوبہ کی اس آیت کی صداقت پر پورا یقین ہوتا ہے:

قُلْ لَنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

''آپ مومنین سے کہہ دیجئے کہ ہمیں کوئی مصیبت آ ہی نہیں سکتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ رکھی ہے۔ وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ ہی پر مومنوں کو توکل رکھنا چاہئے''۔ اسی طرح کفار اور مشرکین کی طرف سے آنے والی تکلیفوں کے بارے میں بھی فرما دیا۔ وَلَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ. وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ٥ (المجادلہ۔ ۱۰)

''کفار انہیں اللہ کے اذن کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مومنوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر توکل رکھیں''۔ یعنی سب کچھ اللہ کی مرضی سمجھتے ہوئے خوشی سے برداشت کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو اللہ پر توکل کرتا ہے تو پھر اللہ ہی اس کو کافی ہے۔ (الطلاق: ۳)۔ اس لئے مومن اپنی تمام آرزوئیں اور اُمیدیں اللہ کے ساتھ وابستہ رکھتا ہے اور اس کے سوا کسی اور چوکھٹ کی طرف اس کی نظر اُٹھتی ہی نہیں۔ جیسے جیسے نماز اور کثرت ذکر کی برکت سے اللہ کے ساتھ اس کا تعلق بڑھتا ہے ویسے ہی توکل علی اللہ کا ذکر آپ کو ساتھ ساتھ ملے گا۔ توکل علی اللہ ہی وہ محفوظ قلعہ ہے جس میں داخل ہو کر بندہ مومن شرک جیسے ظلم عظیم اور شیطان جیسے عدو مبین سے پناہ میں آ جاتا ہے۔ قرآن مجید میں شیطان کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:۔

اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ٥ (النحل: ۹۹)

''شیطان کا زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں''۔ ایک متوکل فقیر اس بات پر بھی ایمان رکھتا ہے کہ اللہ ان مصائب کے ذریعے مجھے تکلیف دینا نہیں چاہتا بلکہ ان آزمائشوں کے ذریعے میرے اندر اعلیٰ اوصاف پیدا کرنا چاہتا ہے تاکہ اپنی نعمتوں کی تکمیل کر سکے۔ جس طرح فوج کے زیر تربیت افسران اپنی ٹریننگ کے دوران کڑی سے کڑی مشقت کمیشن ملنے کی اُمید میں خوشی خوشی برداشت کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہمیں کسی غلطی کی سزا دینے کی خاطر ان کٹھن مرحلوں سے نہیں گزارا جا رہا ہے بلکہ ہماری شخصیتوں کو ایک خاص سانچے میں ڈھالنے کیلئے خصوصی مشکلات پر مشتمل یہ تربیتی کورس مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے بغیر

وہ مطلوبہ اہلیت جوملکی دفاع کی اہم ذمہ داریاں سنبھالنے کیلئے ناگزیر ہے ہمارے اندر پیدا ہی نہیں ہوسکتی۔اسی طرح ایک مومن بھی راہ سلوک میں پیش آنے والی ہر مصیبت کواللہ کی نعمت جانتے ہوئے ہر حال میں خوش رہتا ہے۔اخلاق و کردار کا یہ خصوصی معیاراللہ کے دوستوں اور فقیروں کے لئے ہےاورآپ سب کوایسا ہی بننا پڑے گا۔اگرعوام ہی کا سااخلاق رکھنا ہوتو پھر کسی سلسلۂ فقر میں شامل ہی کیوں ہوا جائے۔

دنیوی رزق اور مال و دولت کے حصول کیلئے وہ کوشش کرتا ہےلیکن اسکی خاطر پریشان ہونا مومن کی شان کے خلاف ہے۔کیونکہ اللہ کی اس یقین دہانی پراس کا دل مطمئن ہوتا ہے کہ کوئی جاندارروئے زمین پرایسا نہیں ہے مگراسے روزی پہنچانا اللہ کے ذمہ ہے۔(سورہ ھود: ۲) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اس کی تسکین کا باعث بنتا ہے کہ بہت سے جانور ہیں جواپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے۔اللہ ہی ان کورزق دیتا ہےاورتم کوبھی۔اوروہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (العنکبوت : ۶۰) اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ اس کے پائے استقلال میں کبھی لرزش نہیں آنے دیتی کہ ہرانسان کواس کی قسمت کا رزق مل کر رہتا ہےاورکسی انسان کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک وہ دنیا سے اپنا مقررہ رزق حاصل نہیں کرلیتا۔مومن کا یہ اندازفکراس کی روح کو ہردم تازہ رکھتا ہےاوروہ دورحاضر کی مادہ پرست تہذیب کے نظام تعلیم کی معاشی بھول بھلیوں اور جھوٹے معیارزندگی کے فریب کا شکارنہیں ہوتا جس کے بارے میں حکیم الامتؒ نے خبردار کرتے ہوئے فرمایا۔

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکر معاش

اللہ کے قرب و دیدار کا سچا طالب اس حقیقت کوبھی اپنے ذہن میں رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص حکمتوں اورمصلحتوں کے تحت کسی کووافر اورکھلا رزق عطا فرماتے ہیں،کسی کو

نپا تلا دیتے ہیں اور کسی کو بعض اوقات ضروریات سے بھی کم رزق میسر فرماتے ہیں۔ وہ اپنے آقا کی حکمت کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور اس کے مقدر کے مطابق جتنی بھی روزی اس کو ملتی ہے اس پر ہی خوش رہتا ہے۔ اس وصف کو قناعت کہتے ہیں کہ مستقبل کی بہتری کیلئے پوری کوشش کرتے ہوئے اپنی موجودہ حالت پر مطمئن اور سچے دل سے خوش رہا جائے۔ نہ کبھی غربت کا رونا رویا جائے، نہ حالات کا شکوہ کیا جائے اور نہ ہی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں اور قرب کے متلاشیوں کی راہنمائی اور ان کے دلوں کو تقویت پہنچانے کی خاطر قرآن کریم میں جو آیات تقسیم رزق کی حکمت ظاہر کرنے کیلئے نازل فرمائیں ان میں سے چند ایک یہاں درج کر رہے ہیں تاکہ سالکین راہ خدا طول امل، ہوا و ہوس اور اونچے معیارِ زندگی کی حرص کے شیطانی پھندوں سے نکل کر فقر مصطفیٰؐ پر فخر کرنا سیکھیں اور اپنے نفس کی خواہشات کی غلامی سے نجات حاصل کر کے حضور ﷺ کے اصحابؓ کی مانند مخلوق خدا کی خدمت اور اصلاح کے کام کو اپنی زندگی کا مشن بنالیں۔

۱۔ وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۝ (النحل۔ ۷۱)

''اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے''۔

۲۔ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝ (الفرقان۔۲۰)

''اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کیلئے آزمائش بنایا ہے۔ کیا تم خوشی سے برداشت کرو گے اور تمہارا رب تو دیکھنے والا ہے''۔

۳۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (الزخرف: ۳۲)

''ہم نے ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا اور ایک دوسرے پر درجے بلند کیے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمہارے رب کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے''۔

۴۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌ بَصِيْرٌO (الشوریٰ۔۲۷)

"اگر اللہ اپنے سارے بندوں کیلئے رزق میں فراخی کر دیتا تو زمین میں فساد کرنے لگیں۔لیکن وہ جو چیز نازل کرتا ہے خاص اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے۔بے شک وہ اپنے بندوں کو جانتا اور دیکھتا ہے"۔

ایک مومن کی عقل سلیم ان حقائق اور حکمتوں کو تسلیم کر لیتی ہے اور اس کا قلب سلیم رزق کی تقسیم پر مطمئن ہو جاتا ہے۔وہ حیات ارضی کی حقیقت کو کما حقہ جان جاتا ہے اس لئے دنیوی آسائش کو سمیٹنے کی دوڑ میں دیوانہ نہیں ہوجاتا کہ ساری توانائی اسی میں کھپا دے اور ہر جائز و ناجائز طریقہ اور لوٹ کھسوٹ سے متاع دنیا میں دوسرے لوگوں سے کسی طرح اونچا ہو جائے۔ وہ اللہ کے قرب کو اپنی منزل بنالیتا ہے اور حیات ارضی کی عارضی نعمتوں سے بے نیاز ہوکر مجاہدانہ اور مسافرانہ زندگی اپنا لیتا ہے۔اس کا حقیقی پیار صرف اللہ سے ہوتا ہے اور اس کے سوا اس کی آنکھوں میں کچھ جچتا ہی نہیں۔جو لوگ اللہ کی محبت کے نایاب گوہر کو اس کے ماسوئی کی محبت سے داغدار نہیں ہونے دیتے وہ دنیا کی متاع کیلئے حرص و طمع ترک کر دیتے ہیں اور زہد و تقوئی اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے تھوڑے رزق پر ہی قناعت کر لیتے ہیں۔اللہ ایسے صابر بندوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَO (القصص:۸۳)

"وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں کیلئے تیار کر رکھا ہے جو زمین میں نہ تو بڑا پن چاہتے ہیں نہ ہی فساد۔اور بہتر انجام تو متقین کے لئے ہے"۔

دین اسلام میں اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والی قوم کیلئے دنیا کی نعمتوں کو نہ تو یکسر نظر انداز کر کے انہیں ترک کر دینے کی تعلیم ہے اور نہ ہی زندگی کے حقیقی مقصد کو فراموش کر کے ان میں غرق ہو جانے کی اجازت ہے۔اُمت مسلمہ مادی لذات سے ایک حد تک مستفید ہو سکتی ہے لیکن ان میں کھو نہیں سکتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اللہ کی رضا اپنی ذات کیلئے آسائشیں سمیٹنے میں نہیں

بلکہ اللہ کی مخلوق کی خدمت میں ہے۔اللہ کے دین میں انسان معاشی طبقات میں تقسیم نہیں کیے جاتے اور نہ ہی دولت کو عزت وفضیلت کا معیار بنایا جاتا ہے بلکہ انسانیت کے احترام اور متقین کے اکرام کا درس دیا جاتا ہے۔ایک عام مسلمان کو بھی وہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو امیر مملکت کو ہوتے ہیں۔ان کی حکومت کا سربراہ انہیں میں سے ہوتا اور انہیں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ مادی لذات، ظاہری شان وشوکت اور جسمانی آسائشوں کے معاملہ میں ایک عام مسکین سے لے کر امیر المومنین تک کی طبیعت میں استغناء اور بے نیازی کا رنگ جھلکتا ہے۔اسی کیفیت کو معراج مسلمانی قرار دیتے ہوئے اللہ کے فقیر اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغناء میں معراج مسلمانی

علامہ اقبالؒ کے نزدیک اسلام کا دوسرا نام "فقر غیور" ہے۔ہر مومن اللہ کے دیئے ہوئے تھوڑے رزق پر بھی دل سے خوش رہتا ہے اور کسی شہنشاہ کی دولت وشوکت پر نہ حرص کی نگاہ ڈالتا ہے نہ اس سے مرعوب ہوتا ہے۔حضرت رابعہ بصری رحمتہ اللہ علیہا کا ایک قول ہے کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہیں مگر وہ خود اللہ تعالیٰ سے راضی نہیں ہوتے، جب ہم اس سے سچے دل سے راضی نہ ہوں تو وہ جو دلوں کا حال جاننے والا ہے ہم سے کیسے راضی ہوگا۔بانی سلسلہ توحیدیہؒ نے پہلے لکھی گئی قرآنی آیات کی روشنی میں رزق کی تقسیم پر صبر کرنے اور ہر حال میں خوش رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے اپنے پانچویں خطبے میں تحریر فرمایا ہے۔

"اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کسی کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ کی مرضی سے ہے تو اے سالکان راہ خدا تم اللہ کی مرضی پر خوش کیوں نہیں رہتے۔اور اس کی مرضی کو اپنی مرضی کے تابع کیوں کرنا چاہتے ہو"۔میں توکل علی اللہ اور راضی برضا رہنے پر اس لیے بار بار زور دے رہا ہوں تا کہ آپ فکر معاش سے نکل کر فکر معاد میں لگ جائیں اور اپنی اور اپنے مسلمان بھائیوں کی اصلاح کیلئے اپنا وقت لگا سکیں۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام پروفیسر محمد شبیر شاہد۔ چوک اعظم

مورخہ 14-11-2006

میں آپ کو بہت یاد کرتا ہوں اور توجہ بھی دیتا ہوں کیونکہ ہمیں آپ سے بہت پیار ہے اور ہم آپ کو ادھر ادھر ہونے نہیں دینگے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال رہے گی۔ اور آپ کی کیفیات پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہو جائیں گی لیکن آپ کیلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کو مضبوطی سے تھام لیں۔ نفی اثبات اور پاس انفاس سے بہتر اور کوئی ذکر نہیں۔ سب سے بڑا دشمن نفس اور شیطان بھی ذکر کی کثرت سے زیر ہوتا ہے۔ ازلی دشمن صرف شیطان ہی ہے جو تفرقے ڈالتا ہے، جھگڑے پیدا کرتا ہے اور اللہ کی راہ سے روکتا ہے۔ انسان کو بھی چاہیے کہ خواہشات نفس کی پیروی ہرگز نہ کرے اور شیطان کے مکروفریب میں نہ آئے اور اسے اپنا دشمن ہی سمجھے۔ انسان تو سارے اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہیں ان سے شفقت سے پیش آنا چاہیے۔ ان سے پیار کرنا ہے اور کامیابی کے ساتھ انہیں پار لے جانا ہے۔ اس میں امت مسلمہ اور انسانیت کی بھلائی کا راز پوشیدہ ہے۔ سلسلہ توحیدیہ کا سلیبس بڑا مختصر، سہل العمل ہے لیکن انتہائی موثر ہے اسے مضبوطی سے تھام لیں اور قرآن کریم کی باقاعدگی کے ساتھ تلاوت کریں۔ خوش بختی نے دروازے پر دستک دی ہے تو اس کی قدر کریں اور جو بقیہ زندگی ہے اسے اللہ کی رضا کے حصول کیلئے وقف کر دیں۔ عزیزم لیاقت علی آپ سے بڑی محبت کرتے ہیں اور سلسلہ توحیدیہ کی خدمت کے سلسلہ میں انہوں نے آپ سے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں۔ یہ کام آپ بھائیوں نے ہی کرنا ہے اور اس سے بڑی نیکی اور اچھا کام کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی راہ پر لگا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس عظیم مشن کے شایانِ شان محنت کرنے کی توفیق سے نوازے۔ اور اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین۔

والسلام!

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام محمد قاسم توحیدی۔ملتان

مورخہ 26-01-2010

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ بانی سلسلہؒ ہمیشہ اعلیٰ میعار پسند فرماتے تھے اور خواہ مخواہ بھائیوں کی تعداد بڑھانے کو اچھا نہ جانتے تھے۔آپؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ یہ خادمان حلقہ کی بھی غلطی ہے کہ ایسے بھائی حلقہ میں داخل ہو جاتے ہیں جو ابھی اس کے اہل نہیں ہوتے اور بعد میں یہی لوگ دردِ سر بن جاتے ہیں بہر حال آئندہ سب خادمان حلقہ صرف اہل لوگوں ہی کی سفارش کریں اور جو پرانے بھائی سست رو ہو گئے ہیں انہیں بھی چند بھائی ملیں،تعلیم پر عمل کرنے کی ترغیب دیں جو بار بار یاد دہانی اور دعوت کے باوجود توجہ نہ دیں اور ہدایت کی راہ پر نہ آنا چاہیں تو پھر انہیں سلسلہ سے خارج کر کے اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔کچھ بھائی شروع میں بڑے پر جوش ہوتے ہیں لیکن بعد میں سست روی کا شکار ہو جاتے ہیں۔قبلہ حضرتؒ اس جذبہ کو سوڈا واٹر کی بوتل والا جوش فرمایا کرتے تھے جو چند سیکنڈ بعد زیرو ہو جاتا ہے۔اسلئے چند ماہ طالب رکھنے کا اصول بنایا گیا ہے۔کچھ لوگ دنیوی فوائد اور دعاؤں کے حصول کیلئے ساری سرگرمی دکھاتے ہیں جب کام ہو گیا یا نہیں ہوا تو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔جو لوگ سچے طالب ہوتے ہیں وہ یہ نہیں دیکھتے کہ فلاں ابو جہل کیوں مسلمان نہیں ہوا اور فلاں فلاں کیوں مرتد ہو گیا۔ان کی سچی لگن انہیں صراطِ مستقیم پر قائم رکھتی ہے۔اور وہ **غیر المغضوب** اور **ولا الضالین** والوں کی راہ سے پناہ مانگتے رہتے ہیں۔آپ کی سلسلہ کے تعارفی کتابچہ کے بارے میں تجویز نہایت مناسب اور معقول ہے یہ بات میرے ذہن میں ہے انشاء اللہ ایسا کتابچہ ضرور لکھا جائے گا اور وسیع پیمانے پر اس کی تقسیم کی جائے گی تا کہ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم کا تعارف پھیلایا جائے۔

والسلام!

گوشۂ سیرت النبی ﷺ - تبلیغ کا حُکم اور اُس کے مضمرات

(غلام مرتضیٰ - اسلام آباد)

سورۃ المدثر کی ابتدائی آیات ــــ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ سے وَلِرَبِّکَ فَاصْبِرْ تک۔
جس میں نبی کریم ﷺ کو کئی حکم دیئے گئے ہیں جو بظاہر تو بہت مختصر اور سادہ ہیں لیکن حقیقتاً بڑے دُور رس مقاصد پر مشتمل ہیں اور حقائق پر ان کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں چنانچہ:

۱۔ اِنْــــذار کی آخری منزل یہ ہے کہ عالمِ وجود میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف جو بھی چل رہا ہو اسے اس کے پُرخطر انجام سے آگاہ کر دیا جائے اور وہ بھی اس طرح کہ عذابِ الٰہی کے خوف سے اس کے دل و دماغ میں ہلچل مچ جائے۔

۲۔ رَبّ کی بڑائی و کبریائی بجالانے کی آخری منزل یہ ہے کہ رُوئے زمین پر کسی اور کی کبریائی برقرار نہ رہنے دی جائے۔ بلکہ اس کی شَــــوْکَـــت توڑ دی جائے اور اسے اُلٹ کر رکھ دیا جائے یہاں تک کہ روئے زمین پر صرف اللہ کی بڑائی باقی رہے۔

۳۔ کپڑے کی پاکی اور گندگی سے دُوری کی آخری منزل یہ ہے کہ ظاہر و باطن کی پاکی اور تمام شوائب سے نفس کی صفائی کے سلسلے میں اس حدِ کمال کو پہنچ جائیں جو اللہ کی رحمت کے گھنے سائے میں اس کی حفاظت و نگہداشت اور ہدایت و نور کے تحت ممکن ہے، یہاں تک کہ انسانی معاشرے کا ایسا اعلیٰ ترین نمونہ بن جائیں کہ آپ ﷺ کی طرف تمام قلبِ سلیم کھچے چلے جائیں اور آپ ﷺ کی ہیبت و عظمت کا احساس تمام کج دلوں کو ہو جائے اور اس طرح ساری دنیا موافقت یا مخالفت میں آپ ﷺ کے گرد مُرتکز ہو جائے۔

۴۔ احسان کرکے اس پر کثرت نہ چاہنے کی آخری منزل یہ ہے کہ اپنی جدوجہد اور کارناموں کو بڑائی اور اہمیت نہ دیں بلکہ ایک کے بعد دوسرے عمل کیلئے جدوجہد کرتے جائیں اور بڑے پیمانے پر قربانی اور جہد و مشقت کر کے اسے اس معنی میں فراموش کرتے جائیں کہ

یہ ہمارا کوئی کارنامہ ہے یعنی اللہ کی یاد اور اسکے سامنے جوابدہی کا احساس اپنی جدوجہد کے احساس پر غالب رہے۔

۵۔ آخری آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ کی طرف دعوت کا کام شروع کرنے کے بعد معاندین کی جانب سے مخالفت، استہزاء، ہنسی اور ٹھٹھے کی شکلوں میں ایذا رسانی سے لیکر آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو قتل کرنے اور آپ ﷺ کے گرد جمع ہونے والے اہل ایمان کو نیست و نابود کرنے تک کی بھرپور کوششیں ہونگی اور آپ ﷺ کو ان سب سے سابقہ پیش آئیگا۔ اس صورت میں آپ ﷺ کو بڑی پامردی اور پختگی سے صبر کرنا ہوگا۔ وہ بھی اس لئے نہیں کہ اس صبر کے بدلے کسی حَظِّ نفسانی کے حصول کی توقع ہو بلکہ محض اپنے ربّ کی مرضی اور اسکے دین کی سربلندی کیلئے۔ (**وَلِرَبِّكَ فَاصْبِر**)

اللہ اکبر! یہ احکام اپنی ظاہری شکل میں کتنے سادہ اور مختصر ہیں اور ان کے الفاظ کی بندش کتنی پرسکون اور پر کشش نغمگی لئے ہوئے ہے لیکن عمل اور مقصد کے لحاظ سے یہ احکامات کتنے بھاری کتنے باعظمت اور کتنے سخت ہیں اور ان کے نتیجے میں کتنی سخت چوکھی آندھی بپا ہوگی جو ساری دنیا کے گوشے گوشے کو ہلا کر اور ایک کو دوسرے سے گتھ کر رکھ دے گی۔

انْذَار کا مطلب ہی یہ ہے کہ بنی آدم کے کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا انجام بُرا ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اس دنیا میں لوگوں کو نہ تو ان کے سارے اعمال کا بدلہ دیا جاتا ہے اور نہ دیا جاسکتا ہے، اس لئے انذار کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ دنیا کے ایام کے علاوہ ایک دن ایسا بھی ہونا چاہیے جس میں ہر عمل کا پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جاسکے یہی قیامت کا دن، جزاء کا دن اور بدلے کا دن ہے پھر اس دن بدلہ دیئے جانے کا لازمی تقاضا ہے کہ ہم دنیا میں جو زندگی گزار رہے ہیں اس کے علاوہ بھی ایک زندگی ہو۔

بقیہ آیات میں بندوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ توحید خالص اختیار کریں اپنے سارے معاملات اللہ کو سونپ دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مرضی پر نفس کی خواہش اور لوگوں کی مرضی کی

پرواہ نہ کریں اس طرح دعوت وتبلیغ کے مواد کا خلاصہ یہ ہوا:

(الف) توحید

(ب) یومِ آخرت پر ایمان

(ج) تزکیۂ نفس کا اہتمام یعنی انجام بد تک لے جانے والے گندے اور فحش کاموں سے پرہیز اور فضائل اور کمالات اور اعمال خیر پر کاربند ہونے کی کوشش۔

(د) اپنے سارے معاملات کی اللہ کو حوالگی اور سپردگی۔

(ہ) پھر اس سلسلے کی آخری کڑی یہ ہے کہ یہ سب کچھ نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لاکر، آپ ﷺ کی باعظمت قیادت اور رشد وہدایت سے لبریز فرمودات کی روشنی میں انجام دیا جائے۔

پھر ان آیات کا مطلع اللہ بزرگ و برتر کی آواز میں ایک آسمانی نداء پر مشتمل ہے، جس میں نبی کریم ﷺ کو اس عظیم وجلیل کام کیلئے اُٹھنے اور نیند کی چادر پوشی اور بستر کی گرمی سے نکل کر جہاد و کفاح اور سعی ومشقت کے میدان میں آنے کیلئے کہا گیا ہے۔"اے چادر پوش اُٹھیے! اور ڈرایئے"۔گویا یہ کہا جارہا ہے کہ جسے اپنے لئے جینا ہے وہ تو راحت کی زندگی گزار سکتا ہے لیکن آپ ﷺ، جو اس زبردست بوجھ کو اُٹھا رہے ہیں ،تو آپ ﷺ کو نیند سے کیا تعلق واسطہ! آپ ﷺ کو راحت سے کیا سروکار!۔پرسکون زندگی سے کیا نسبت! راحت بخش سازو سامان سے کیا واسطہ؟ آپ ﷺ اُٹھ جایئے! اس کارِ عظیم کیلئے جو آپ ﷺ کا منتظر ہے، اس بارِ گراں کیلئے جو آپ ﷺ کی خاطر تیار ہے۔اُٹھ جایئے! جدوجہد ومشقت کے لئے ،تکان اور محنت کیلئے اُٹھ جایئے۔کہ آج سے پیہم بیداری ہے اور طویل وپُرمشقت جہاد ہے۔

یہ بڑا عظیم اور پُر ہیبت کلمہ ہے ،اس نے نبی کریم ﷺ کو پُرسکون گھر، گرم آغوش اور نرم بستر سے کھینچ کر تند طوفانوں اور تیز جکھڑوں کے درمیان اتھاہ سمندر میں پھینک دیا اور لوگوں کے ضمیر اور زندگی کے حقائق کی کشاکش کے درمیان لاکھڑا کیا۔پھر آپ ﷺ اُٹھ گئے اور بیس سال سے زیادہ عرصہ تک اُٹھے رہے ۔راحت وسکون تج دیا۔زندگی اپنے لئے اور اہل وعیال کیلئے نہ رہی۔

آپ ﷺ کا کام اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ کمرتوڑ بارِگراں اپنے شانے پر کسی دباؤ کے بغیر اُٹھالیا، یہ بوجھ تھا اس روئے زمین پر امانتِ کبریٰ کا بوجھ۔ ساری انسانیت کا بوجھ، سارے عقیدے کا بوجھ اور مختلف میدانوں میں جہاد و دفاع کا بوجھ، آپ ﷺ نے بیس سال سے زیادہ عرصہ تک پیہم اور ہمہ گیر معرکہ آرائی میں زندگی بسر کی اور اس پورے عرصے میں یہ بارگراں کی ذمہ داری آپ ﷺ کو ایک حالت کسی دوسری حالت سے غافل نہ کر سکی۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہماری طرف سے اور پوری انسانیت کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔

کاوشِ تبلیغ (خفیہ دعوت کے تین سال)

مکہ دینِ عرب کا مرکز تھا یہاں کعبہ کے پاسباں بھی تھے اور ان بتوں کے نگہبان بھی، جنہیں پورا عرب احترام کی نظر سے دیکھتا تھا، اس لئے دور افتادہ مقام کی بہ نسبت مکہ میں مقصد اصلاح تک رسائی ذرا زیادہ دشوار تھی، یہاں ایسی عزیمت درکار تھی جسے مصائب و مشکلات کے جھٹکے اپنی جگہ سے نہ ہلا سکیں۔ اس کیفیت کے پیشِ نظر حکمت کا تقاضا تھا کہ پہلے پہل دعوت و تبلیغ کا کام پس پردہ انجام دیا جائے تا کہ اہلِ مکہ کے سامنے اچانک ایک ہیجان خیز صورت حال نہ آجائے۔

اوّلین راہروانِ اسلام:

یہ بالکل فطری بات تھی کہ رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے ان لوگوں پر اسلام پیش کرتے جن سے آپ ﷺ کا سب سے گہرا ربط و تعلق تھا، یعنی اپنے گھر والوں اور دوستوں پر۔ اسطرح آپ ﷺ نے ابتداء میں اپنی جان پہچان کے لوگوں کو حق کی طرف بُلایا جن کے چہروں پر آپ ﷺ بھلائی، خیر کے آثار دیکھ چکے تھے۔ پھر ایسی جماعت کو دعوت دی جس کو کبھی بھی رسول اللہ ﷺ کی عظمت، جلالتِ نفس اور سچائی پر شبہ نہ گزرا تھا جنہوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی یہ اسلامی تاریخ میں سابقین اور اوّلین کے وصف سے مشہور ہیں۔

یقین کریں

(حمیداللہ حمیدی)

ہم اللہ کی واحدانیت پر ایمان تو رکھتے ہیں،اُسے موت و حیات کا مالک اور کاتبِ تقدیر بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن اذہان شکوک وشبہات سے بھرے ہیں۔دلوں میں وسوسوں اور بے یقینی کے بت براجمان ہیں۔ہماری دعائیں بے سوز اور یقین کی قوت سے محروم ہیں۔ فریاد میں شک کی آمیزش ہے۔

ایمان اگر ایک نورانی آئینے کی مانند ہے تو یقین اس کا عکس ہے۔بے یقینی ایمان شکن چیز ہے اگر انسان کے دل میں معمولی سا گمان بھی پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلق ٹوٹ جاتا ہے اور ربط منقطع ہوتے ہی وہ خوف وحزن میں مبتلا ہو جاتا ہے نہ کوئی خوشی قریب آتی ہے، نہ کامرانی نصیب ہوتی ہے، اور نہ کوئی دعا مستجاب ہوتی ہے۔غفلت وجہالت کے سبب ایمان کمزور اور یقین مٹ جاتا ہے۔مایوسیت،خوف اور شک انسان کے دشمن ہیں جو انسان کی قلبی، ذہنی اور تخلیقی صلاحیتیں ناکارہ کر دیتے ہیں۔اُمیدوں کا چراغ ہی گُل ہو جائے تو زندگی کا حُسن ماند پڑ جاتا ہے۔

یقین اور عزم ہی چراغِ زندگی کا ایندھن ہیں۔یقین کی بدولت ہی انسانی تہذیب نے عروج پایا ہے، یقین سے ہی آگ گلِ گلزار بنتی ہے۔یقین کی قوت مٹی کو سونا اور پتھر کو لعل بنا دیتی ہے۔یقین کرشمہ ساز اور کرامت گر ہے۔یقین محکم ہو تو انسان ہمالہ کی چوٹی بھی سَر کر لیتا ہے اور ایمان و یقین سے محروم لوگ چند قدم چلتے ہی پھسل جاتے ہیں۔صاحبِ یقین نہ ڈگمگاتا ہے، نہ گھبراتا ہے۔وہ ہزاروں آقاؤں کو چھوڑ کر صرف ایک ہی ذات اللہ پر بھروسہ کرتا ہے۔اعتماد و وثوق کی روشنی میں منزلیں طے کرتا چلا جاتا ہے اور جب صاحبِ ایمان صدق، یقین اور خلوصِ دل کے ساتھ یہ کہتا ہے۔

☆حَسْبِیَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ☆

مجھے اللہ کافی ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

اللہ پر توکل کرنے والا دنیا کے سب عارضی بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے، غیر آقاؤں کی زنجیریں توڑ دیتا ہے، تمام اندیشوں اور وسوسوں کے حصار سے نکل جاتا ہے اور ایسی مسرت و نشاط سے ہمکنار ہوتا ہے جس کا ایک وہمی اور شکی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

بات صرف اللہ سے ربط اور اسکی ذات میں یقین کی ہے۔اگر برقی قمقمے کا رابطہ برقی رو سے منقطع ہو جائے تو لاکھ جتن کے باوجود وہ قمقمہ کبھی روشن نہیں ہوگا اور جوں ہی برقی رو بہتی ہے سوئچ آن کرنے والے کو کامل یقین ہو جاتا ہے کہ سوئچ آن کرتے ہی لیمپ روشن ہو جائے گا۔ اسی طرح جب بندہ صرف ایک ہی ذات اللہ نور علیٰ نور سے روحانی اور نورانی تعلق قائم کر لیتا ہے تو اسکی دعاؤں کی قبولیت اور مرادوں کی تکمیل آسان اور یقینی ہو جاتی ہے اور جب حُسنِ خلوص اور یقینِ راسخ کے ساتھ اپنی کسی بھی محبوب و مرغوب شے کا تصور کر کے طلب کرتا ہے تو اسکی وہ مراد برق رفتاری سے بر آتی ہے۔

یہی یقین وہ برقی اور روحانی قوت ہے جس سے ہماری روح، ہماری دعائیں اور التجائیں محروم ہیں تمناؤں کو پورا کر دینا اس برقی قوت کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔مانگنا ہے تو عزت، دولت اور صحت کے ساتھ ساتھ اللہ سے ایمان کی دولت اور یقین کی قوت بھی طلب کریں۔

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

اقبالؒ

اللہ سبحانہ تعالیٰ تو انسانی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔وہ مومن کے دل میں قیام کرتا ہے۔ اسکی بے پایاں رحمت و فضل کی برکھا انسان پر ازل سے برس رہی ہے۔

☆"میری رحمت ہر چیز پر حاوی ہے" (اعراف)

وہ سراپا محبت ہے، اس کے جُود و کرم و عطا کا بحرِ بے کنار ہمارے چار سُو پھیلا ہوا ہے، ہمارا وہی رہبر ہے، وہی پناہ ہے، وہی آخری سہارا ہے، وہی مربی ہے، دوست ہے، مہربان ہے، نگہبان ہے، رحیم ہے، رحمٰن ہے، وہی مالک ہے، وہی مشکل کشا ہے۔ صرف ربِ جلیل و جمیل ہے جو ہماری حیات کا کفیل ہے، ہماری ذات کا وکیل ہے، ہمارے معاملات میں دخیل ہے۔ وہی ہے جو ہمارے نقوشِ تصور سے آگاہ ہے، ہمارے ارادوں سے آشنا ہے، ہمارے دلوں کی دھڑکنوں کا سامع ہے، ہماری مرادوں، ضرورتوں اور خوابوں سے خوب واقف ہے۔ وہی لامحدود نعمتوں اور خزانوں کا مالک ہے، وہی قاضی الحاجات ہے، وہی قضا و قدر کو بدل دیتا ہے۔

چمک دمک ہے ساری تیری سب نظارے تیرے ہیں
ارض و سما میں جتنے ہیں آئینے سارے تیرے ہیں

(حافظؔ لدھیانوی)

وہ تو منتظر ہے کہ ہم اس سے طلب کریں، دعا کریں، التجا کریں، فریاد کریں، سوال کریں۔ خالقِ کون و مکان کا فرمان ہے:۔

''جب میرا بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، جب وہ ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور جب وہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں'' (بخاری)

جب دعا کریں تو کامل ایمان اور سوزِ جگر کے ساتھ مانگیں اور یقین کر لیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہر لمحہ، ہر مقام پر، ہر حالت میں میرے ساتھ ہے۔ میری مشکلات کا حل کرنا اسی کی ذمہ داری ہے۔ میری تمنائیں پوری ہونے والی ہیں۔

ہمیشہ اس لامحدود قوت والی ذات بابرکات کی قوت و اعانت پر بھروسہ کریں۔ اپنے تمام امور، معاملات، اپنی ذات اور حیات کا ایک ایک لمحہ رحمٰن و رحیم کے سپرد کر کے اسکی شانِ ربوبیت اور لُطف و کرم کا نظارہ کریں۔

اپنی حاجات کی ایک فہرست تیار کریں، اس کا کسی سے بھی ذکر نہ کریں۔ کیوں کہ سوائے اللہ جلیل وجمیل کے کسی اور کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں۔ تنہائی میں باوضو ہوکر نہایت سکون ومحبت اور عزم کے ساتھ درج ذیل قرآنی آیت مع ترجمہ گیارہ بار پڑھیں اور پھر حُسنِ خلوص، ایمان وایقان کے ساتھ اپنی حاجات کی فہرست کو دہرائیں اور تصور کریں کہ آپ کی محبوب ومرغوب اشیاء بڑی تیزی سے آپکی طرف چلی آرہی ہیں (اس عمل کو دن میں کم ازکم ایک بار ضرور دہرائیں)

☆وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ☆(المومن)

''میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب بندوں کا نگران ہے''

یہ یقین راسخ کرلیں کہ جو خالق ''کُـــن'' سے کائناتِ ناپید کنار پیدا کرسکتا ہے وہ پروردگار ہماری ہر ادنیٰ واعلیٰ حاجت کو ہمارے سوچتے ہی پوری کرسکنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اسی یقین وایمان کی برقی لہر کو اپنی روح، قلب ووجود کے رگ وپے میں سرایت کرکے دائمی شادمانی، حقیقی کامرانی اور سرفرازی حاصل کریں۔

یہی یقین وہ آسمانی راز ہے جو ہماری مرادوں کو ایک ہی لمحے میں پورا کردیتا ہے۔

☆''فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰکُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ''☆

''ایمان والو! یقین رکھو کہ اللہ ہی تمہارا دوست ہے، بہت ہی عمدہ دوست اور اعلیٰ مددگار ہے''

تیرا لطف نہ ہو جو شامل سانس بھی لینا مشکل ہے

سارے کام بنائے تو نے سارے سہارے تیرے ہیں

(حافظ لدھیانوی)

حُبِّ ربّ

(ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

سلوکِ قرآنی کا دوسرا مرحلہ "حُبِ ربّ" یعنی پروردگار کی محبت ہے۔ جب آپ نے اپنے نفسِ امارہ کو لگام دے دی اُس کے جو رذائل ہیں ان سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تو اب آپ کے روحانی وجود کو جو ریلیف (Relief) میسر آیا ہے وہ اپنے ربّ کی جانب متوجہ ہوگا۔

ترجمہ: "اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو قریب ہی ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے میں اُس کی پکار کو سنتا ہوں تو چاہیے کہ وہ میرا کہا مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔" (سورۃ البقرہ)

اب یہ روح کو ریلیف ملا ہے نفس کا بوجھ اس پر سے کم ہوا ہے وہ دباؤ جس کے نیچے وہ سسک رہی تھی اس سے رستگاری ملی ہے تو وہ اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوگی۔ اب وہ جذبہ جو اس کے اندر متوارث (Inherent) موجود ہے وہ بروئے کار آئے گا۔ یعنی "اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن" اور جو کہا گیا: "کُلُّ شَیْ ءٍ یَرْجِعُ اِلیٰ اَصْلِہٖ" (ہر شے اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے)۔ اس روح کا اصل تعلق ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ اس کے اندر ایک شوقِ لقاء بھی ہے ایک محبت کا جذبہ بھی ہے لیکن نفس کے تقاضوں کے تحت دبا ہوا ہے جو اب تک ظاہر نہیں ہوا اب وہ ابھر کر سامنے آئے گا۔ اس کو قرآن مجید کہتا ہے: (وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ) (البقرۃ: ۱۶۵) "اور اہلِ ایمان اللہ کی محبت میں سب سے بڑھ کر ہیں"۔

واضح رہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ کی محبت کا ذکر آئے تو سمجھ لیجیے کہ اس کے اندر رسول ﷺ کی محبت کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہ وہاں مضمر ہے اس کو ظاہر کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ دو اعتبارات سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ ایک وحدت بن جاتے ہیں۔ اطاعت کے اعتبار سے

اور محبت کے اعتبار سے۔ چنانچہ سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''کہہ دیجئے اطاعت کرو اللہ کی اور رسول ﷺ کی پس اگر تم رُوگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا''۔ جبکہ سورۃ التوبہ آیت ۲۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

ترجمہ: ''کہہ دیجئے (اے نبی ﷺ!) اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور خاندان اور وہ مال جو تم نے بڑی محنت سے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں تمہیں مندے کا خدشہ رہتا ہے اور وہ گھر جو تمہیں بڑے پسند ہیں، تم کو زیادہ محبوب ہیں اللہ سے، اُس کے رسول سے اور اُس کے راستے میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے، اور اللہ ہدایت نہیں دیتا نافرمانوں کو''۔

معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے شدید ترین محبت اور اللہ سے ملاقات کا شوق و اشتیاق مطالباتِ دین میں سے ہے۔ اس کیلئے نبی اکرم ﷺ کے انتقال کے وقت کی کیفیت ذہن میں رکھیے۔ آپ کو معلوم ہے انبیاء و رُسل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار ملتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے انتقال سے متصل قبل فرمایا:

ترجمہ: ''کوئی پیغمبر اُس وقت تک وفات نہیں پاتا جب تک بہشت میں اپنا ٹھکانا نہیں دیکھ لیتا، پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے (اگر چاہے تو دنیا میں مزید رہے یا مراجعت اختیار کرے)''

حضرت ابوبکرؓ اس پر رو پڑے۔ صحابہؓ حیران ہو گئے تھے کہ کیا معاملہ ہے؟ دراصل بندۂ مومن کیلئے یہ ایک بڑی لطیف حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کی زندگی میں رہنے پر کبھی راضی نہیں ہوتا۔ یہ ''سِجْنُ الْمُؤْمِن'' ہے۔ یہ اس کیلئے Liability ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کسی CSP آفیسر کو بلوچستان کے دور دراز کونے میں کہیں پر لگا دیا جائے۔ چلا تو وہ جائے گا کہ ملازمت کا تقاضا ہے مگر مستقلاً رہنے پر راضی نہیں ہوگا۔ دنیا میں رہنا اللہ کے حکم سے ہے۔ یہ ہمارے لیے Place of Duty ہے۔ جب تک بھی اللہ ہمیں یہاں رکھے یہاں رہنے پر راضی رہنا ہے، مگر زندگی کی طوالت کی آرزو یا تمنا نہیں ہونی چاہئے۔ قرآن میں یہودیوں کا وصف

بیان ہوا ہے: **ترجمہ**: ''اُن میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش اُسے ہزار سال کی عمر دے دی جائے''۔ اس کے برعکس بندۂ مومن کی شان تو وہ ہے جو اقبالؒ نے بیان کی کہ

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

"مردِ مومن کی نشانی میں تمہیں بتاؤں؟ جب موت آتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے"

آخری کلمات جو حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئے وہ یہ تھے:

(اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی) ''اے اللہ! اے بلندترین رفیق!''

گویا جو وقت بھی یہاں گزرا ہے وہ ایک فرضِ منصبی کی ادائیگی کیلئے تھا۔ ورنہ حضور ﷺ کا جو روحانی اور قلبی تعلق ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ تھا' ہمارے لیے تو وہ تصور سے ماوراء ہے۔ لیکن دنیا میں رہتے ہوئے کوئی لطیف حجاب تو تھا' کوئی پردہ تو تھا! وہ بھی اتنا شاق گزر رہا ہے! یہ ہے محبت' یہ ہے شوقِ لقاء! اللہ سے ملاقات' اس کے حضور حاضری کا شوق و اشتیاق۔ اگر یہ نہیں ہے تو ایمان کی اصل لذت اور روح کی حیاتِ باطنی کا ابھی کوئی احساس تک نہیں ہے۔ ان روحانی کیفیات کا تو مزا ابھی چکھا ہی نہیں اُس شخص نے جس میں یہ محبت خداوندی ایک زندہ حقیقت قرار نہیں پائی۔ یہ حرارت اگر اس کے باطن کے اندر نہیں ہے تو وہ باطنی کیفیات سے عاری ہے۔

لاالٰہ اِلّااللہ کا مفہوم: صوفیاءِ کرام نے ''**لاالٰہ اِلّااللہ**'' کا جو مفہوم بیان کیا ہے صد فیصد درست ہے۔ توحید کی ایک سطح وہ ہے جس پر عوام ہوتے ہیں' وہ اس سے اُوپر نہیں جا سکتے۔ ان کیلئے ''**لاالٰہ اِلّااللہ**'' کا مفہوم یہ ہے کہ ''لامعبود الا اللہ..... لارازق اِلا اللہ''..... یعنی کوئی معبود نہیں' کوئی رازق نہیں' کوئی مشکل کشا نہیں' کوئی حاجت روا نہیں سوائے اللہ کے''۔ یہ توحید کا پہلا درجہ ہے۔ لیکن اس سے اگلی منزل جہاں سے روح کی حیاتِ باطنی کا آغاز ہوتا ہے وہ ہے ''لامحبوب اِلا اللہ..... لامطلوب اِلا اللہ..... لامقصود اِلا اللہ'' یعنی مقصود' مطلوب اور محبوبِ حقیقی کے درجے میں اللہ کے سوا کوئی نہ رہے۔ کوئی بھی اس مقام پر موجود ہے تو یہ شرک کی ایک قسم ہے،

اگر کوئی بھی محبت اس محبت کے برابر ہوگئی تو یہی تو ہے جو اقبالؒ نے کہا ہے۔

؎ بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

یہ ہیں درجہ احسان کے ثمرات۔ یہی وہ ثمرات ہیں جن کو ہمارے دین کی اصطلاح میں ''ولایت باہمی'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ اللہ کے بندے کی باہمی دوستی ہے۔ اللہ بھی ولی ہے اہل ایمان کا' ازروئے الفاظِ قرآنی: **اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ ٥**

ترجمہ: ''اللہ دوست ہے اہل ایمان کا' نکالتا ہے انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف''۔ اور یہ جو واقعی حقیقی ایمان رکھنے والے ہیں' جن کے قلوب میں اور جن کی شخصیتوں میں ایمان رچ بس گیا ہے تو وہ اللہ کے دوست ہیں۔''

ترجمہ: ''آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف لاحق ہوتا ہے نہ حزن۔ وہ لوگ جو ایمان لائے انہوں نے تقویٰ اختیار کیا''۔ انہیں خوف و حزن اس لیے نہیں ہے کہ وہ راضی برضائے ربّ ہیں ''ہر چہ ساقی ماریخت عین الطاف است'' (جو کچھ میرے ساقی نے میرے پیالے میں ڈال دیا وہی عین لطف و کرم ہے۔) وہ اس کشمکش اور پیچ و تاب میں مبتلا نہیں ہوتے۔ حدیث میں آیا ہے کہ تمام انسان مل کر اگر تمہیں کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے جب تک کہ اللہ کا اذن نہ ہو' اور تمام انسان مل کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے جب تک کہ اللہ کا اذن نہ ہو۔ تو کس کا خوف' کس سے امید' کس کا ڈر' کس بات کا حزن؟ جو ہوا اللہ کا فیصلہ اسی میں تھا:

؎ بروں کشید ز پیچاکِ ہست و بود مرا
چہ عقدہ ہا کہ مقامِ رضا کشود مرا

"ہست و بود کی الجھنوں سے مجھے باہر نکال دے۔ کتنے ہی عقدے تھے جو مقامِ رضا کے حاصل ہو جانے سے حل ہو گئے۔"

یہ مقامِ رضا ہے۔ یعنی دوست کی رضا پر راضی رہنا ہے' جو اُس کا فیصلہ ہو قابلِ قبول ہے۔

اپنے فرائض کی ادائیگی کیلئے تن من دھن لگا دینا اپنی جگہ ضروری ہے' لیکن اس میں بھی توکل صرف اللہ پر ہو کہ ہمارے کیے کچھ نہیں ہوگا' محنت کرنا ہماری ذمہ داری ہے' نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ علاج کرنا سنت ہے' کریں گے' لیکن شفاء دوا میں نہیں' اللہ کے اذن میں ہے۔ ہماری بھوک غذا سے نہیں مٹتی' اللہ کے اِذن سے مٹتی ہے۔ پیاس پانی سے نہیں بجھتی' اللہ کے حکم سے بجھتی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ترجمہ: ''(اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی فاعلِ حقیقی' کوئی مؤثرِ حقیقی نہیں۔)''

یہ حقیقت جان لینی چاہیے کہ ہر فعل کے اندر دو اجزاء (Components) ہیں۔ انسان ''**کاسبِ اعمال**'' ہے' جبکہ ''خالقِ اعمال'' اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ انسان کیلئے ہر فعل پر اپنی نیت کے اعتبار سے اجر و ثواب یا عذاب و سزا ہے۔ لیکن ہوگا وہ جس میں اذنِ ربّ ہوگا۔

اسی طرح ''باہمی مذاکرہ'' ہے' تم اللہ کو یاد رکھو' اللہ تمہیں یاد رکھے گا:

ترجمہ: ''(تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔'') حدیث قدسی ہے کہ میرا بندہ اگر مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں۔ میرا بندہ اگر مجھے محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اُس کا اس سے اعلیٰ محفل میں ذکر کرتا ہوں یعنی ملائکہ مقربین کی محفل میں۔ میرا بندہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ میرا بندہ میری طرف بالشت بھر آتا ہے تو میں اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہوں۔ یہ ہے باہمی تعلق۔ اسی طرح نصرتِ باہمی کا معاملہ ہے۔ ترجمہ ''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا'' تم اس کے دین کا جھنڈا تھامو' اقامت دین کی جدوجہد میں تن من دھن لگاؤ' اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ تو یہ ہے درحقیقت محبت باہمی اور ولایت باہمی کا ایک ایسا تعلق جو ایمان کا لُبِ لباب اور حاصل ہے۔ ایمان جب اس درجے کو پہنچ جائے کہ آپ کے احساسات میں' آپ کے نقطۂ نظر میں' آپ کی باطنی کیفیات میں یہ تبدیلی واقع ہو جائے تو یہ ہے ایمان کا حاصل!

خواب اور روحوں سے ملاقات کی حقیقت

(محترم سلطان بشیر محمود)

جدید تحقیقات ہمیں اس طرف لے جارہی ہیں کہ "نفس" "آتما" Self,Soul,Spirit اور روح ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں جو مرنے کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ اسے ایک جگہ جانے کیلئے ٹانگوں کی ضرورت نہیں، آنکھوں کی ضرورت نہیں، نہ ہی سننے کیلئے کانوں کی ضرورت ہے۔ وہاں یہ سب چیزیں روحانی طور پر ہوتی ہیں یعنی Mind to Mind Communication ہوتی ہے۔ یہی بات دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب ہزاروں سال سے بتاتے آئے ہیں۔

اب سائنس اور مذاہبِ عالم، دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ خواب کی حالت میں زندہ لوگ مرے ہوئے لوگوں سے Communicate کرتے ہیں یہ ایک روحانی عمل ہے۔ نیند کی حالت میں باطنی شعور (Mind) زندہ ہوتا ہے جبکہ جسم سو رہا ہوتا ہے جو اس کیلئے ایک طرح کی عارضی موت ہے لیکن شعور کیلئے یہ آزادی کا وقت ہے (اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی نیند کو موت سے تشبیہہ دی ہے) چونکہ نفس یعنی شعور (Mind) زمان و مکاں کے دھارے پر آگے پیچھے جاسکتا ہے اس لئے وہ روحوں سے رابطہ قائم کرسکتا ہے۔

اس لئے خواب میں جب ہم روحوں سے ملتے ہیں تو وہ حقیقی ملاقات ہوسکتی ہے لیکن ہم ان کی بات کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتے اس لئے کہ ہم زندہ لوگ اتنے زیادہ ذہنی جھگڑوں میں مبتلا ہیں کہ خواب ان کے شور کے نیچے دب جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کے پاس ریڈیو ہے۔ جس پر بہت اچھا پروگرام آرہا ہے، اچانک بادلوں میں بجلی کڑکتی ہے اور ریڈیو میں کڑکڑ کی آواز شروع ہوجاتی ہے۔ اس کو برقی شور (Electrical Noise) کہتے ہیں۔ آپ جو پروگرام سن رہے تھے اس میں خلل آگیا۔ اسی طرح ہماری زندگیوں میں چونکہ دنیاوی فکروں کا شور مچا ہے اس لئے ہمارے خوابوں میں جو اصل حقیقت ہے وہ ان میں دب جاتی ہے جب ان کی

سمجھ نہیں آتی تو کہہ دیا جاتا ہے کہ خواب، خیال ہوتے ہیں۔

لہٰذا اگر ہم سچے خواب دیکھنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم اپنے خیالات کو پاک رکھیں۔ جس حد تک ہم فکروں سے آزاد ہوں گے ہمارے خواب بھی اسی نسبت سے سچے ہوں گے۔ نفرت، شک، وسوسے اور غیبت خیالات کی ناپاکی ہیں۔ مثلاً قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کے متعلق فرمایا ہے کہ ''اس کی مثال تمہارا اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کی مانند ہے''۔ اسی طرح اگر آپ کے دل میں دوسروں کیلئے برائی ہے تو یہ بھی ایک روحانی شور ہے۔ اسی میں حسد بھی شامل ہے اگر ہم خود کو ان شوروں سے بچا کر رکھیں اور خیالات کو پاکیزہ رکھیں تو پھر ہمارا شعور صاف ستھرا ہوگا۔ اور ہمارے خواب بھی اسی نسبت سے سچے ہونگے مطلب یہ کہ سچے خواب دیکھنے کیلئے یا خواب میں ارواح سے ملاقات اور صحیح نتائج اخذ کرنے کیلئے سوچ کی پاکیزگی ضروری ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ ''تم سے تمہاری سوچوں کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا''۔ اس پر صحابہ کرامؓ رونے لگے کہ ''یا اللہ عمل پر تو کسی حد تک اختیار ہے لیکن سوچ پر تو ہمارا اختیار نہیں ہے''۔ ان کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے حضور نبی پاک ﷺ نے تشریح فرمائی کہ اس کا مطلب جان بوجھ کی سوچ ہے۔ آپ سمجھتے ہیں یہ برائی ہے لیکن پھر بھی اس برائی کو اپنے ذہن میں پالتے رہتے ہیں۔ اسی طرح حسد کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ کسی کے خلاف سازش کرتے رہتے ہیں۔ ایسی سوچوں کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔'' اسی لئے حضور پاک ﷺ کا فرمان ہے کہ ''تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ناراض نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے بعد کی ناراضگی کا حساب شروع ہو جائے گا۔

لہٰذا خواب بھی اسی کے سچے ہوں گے جو اپنے دماغ کو برائیوں کے شور شرابوں سے پاک رکھتا ہے۔ چونکہ ہم میں سے اکثر احتیاط نہیں کرتے اس لئے ہمارے نفوس پر برائی کا شور بڑھتا ہی جاتا ہے۔ حجاب در حجاب، تہہ در تہہ ظلمت کے پردے پڑتے جاتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کا اس بارے میں ارشاد ہے کہ ''آدمی جب جان بوجھ کر پہلی برائی کرتا ہے تو قلب کے اوپر

ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے اور جب مسلسل برائی کے راستے پر چل پڑتا ہے تو اس کی برائیوں کے نقطے تمام قلب کو پوری طرح ڈھانپ لیتے ہیں۔ پھر بُرائیوں کے سیاہ نقطوں کی دوسری تہہ جمتی ہے، پھر تیسری حتیٰ کہ قلب اتنا زیادہ ظلمت میں چلا جاتا ہے کہ اس میں نور حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی''۔ ایسے نفوس کی سوچ مکدر ہو جاتی ہے ان میں شور ہی شور ہے۔ اسی لئے ایسے لوگوں کو سچے خواب بھی نہیں آسکتے۔ سچے خواب، کشف اور الہامات تو دور کی باتیں ہیں ان کو تو ہدایت کی بات بھی سمجھ نہیں آتی۔ ان کے قلوب مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں "**فی قلوبھم مرض**"۔

اسلئے ہمیں یہ دھیان رکھنا ہے کہ ہم اپنی سوچوں کو معصوم رکھیں اور اپنے قلوب کی صفائی کرتے رہیں اور صفائی کے لئے لازمی امور میں سب سے پہلے ذکراللہ اور ماضی کے گناہوں سے سچی توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلب کی سیاہی کو دور کرنے کیلئے مانجھتے ہیں جبکہ توبہ ایک جھاڑو ہے جس سے گناہوں کا میل صاف ہوتا ہے لیکن فرض کریں کہ صفائی کرنے والا جھاڑو لگانے کے ساتھ ساتھ آپ آلودگی کے راستوں کو بند نہیں کرتے تو آپ کا گھر گندا ہی رہے گا۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو توبہ بھی کرتے ہیں اور گناہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا ذہن گندا ہی رہتا ہے۔ اس لئے صحیح توبہ وہ ہے جس کے بعد وہ کام نہ کیا جائے جس سے توبہ کی اور گناہ کے تمام راستے بند کر دیئے جائیں۔ اگر دوا کے ساتھ پرہیز نہ کیا جائے تو دوا کا اثر باقی نہیں رہتا۔ اس طرح ذکر کے ساتھ ساتھ گناہوں سے پرہیز سے ہی فائدہ پہنچے گا اور دل کی سیاہی اترے گی۔ جب قلب صاف رہے تو سچے خواب آنا شروع ہوں گے سوتے بھی اور جاگتے بھی۔ جاگتے ہوئے خوابوں کو کشف بھی کہا جاتا ہے۔ خواب دراصل روحوں کے مابین رابطہ یعنی Mind to mind talk کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے جیسے پہلے بتایا گیا ہے اگر آپ کے نفوس گناہ کے شور سے محفوظ ہیں تو حالت خواب میں آپ ماضی اور مستقبل میں پہنچ کر وہاں کے حالات سمجھ سکتے ہیں رسول اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ انسانی خلیہ میں بھی چھیالیس کروموزوم ہوتے ہیں، 23 ماں کی طرف سے اور 23 باپ کی طرف سے۔

کشف اور وجدان کی حقیقت:

وجدان ایک کیفیت کا نام ہے جس میں آپ جاگتے ہوئے بھی غیب کو جاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں ۔ارواح فرشتوں اور جنات جیسی غیر مرئی طاقتوں سے شعوری رابطہ قائم کر سکتے ہیں، روحوں کو بلا کر یا ان کے پاس جا کر ان سے بات چیت بھی کر سکتے ہیں بغیر کسی طبیعیاتی رابطہ کے دوسروں تک اپنے خیالات پہنچانا اوران کے خیالات کو جاننا بھی اسی میں شامل ہے جدید سائنس میں اسے Extra Sensory Perception (ESP) کہتے ہیں ۔ ESPانسان کے لئے فطری تحفہ ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ ۔مناسب تعلیم وتربیت اور ریاضتوں سے اسے بڑھایا بھی جاسکتا ہے ۔ہم چونکہ ادھر توجہ نہیں دیتے، نہ ماں باپ کی اور نہ ماحول کی ادھر کوشش ہوتی ہے اور شیطان بھی ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے اس لئے عموماً وقت کے ساتھ ہماری وجدانی صلاحیت کمزور ہوتی جاتی ہے یا یہ کہ شیطان اسے غلط طرف لے جاتا ہے مثلاً جادو ٹونے اور جھاڑ پھونک وغیرہ۔

یہاں یہ بات بتا دینا بھی ضروری ہے کہ وجدانی کیفیت (ESP) کا کسی خاص مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔اس میں ہندو، سکھ، عیسائی اور دہریے بھی کمال حاصل کر سکتے ہیں۔جیسے کسی فن کے سیکھنے میں کسی خاص فلاسفی کی ضرورت نہیں ۔وجدان بھی ایک فن ہے۔اگر آپ پریکٹس اور توجہ سے اپنے نفس کو کسی خاص سمت میں بڑھا دیں (Extention of Mind) جیسے غبارہ کو کسی سمت میں پھیلایا جا سکتا ہے۔تو نفس اس سمت میں جھانک کر وہاں کے حالات و واقعات کو دیکھ سکتا ہے۔ مذہب یہ سکھاتا ہے کہ اپنی وجدانی قوت کو غلط طرف یعنی کسی کو نقصان پہنچانے کیلئے استعمال نہ کیا جائے ۔مثلاً جادو، خیال کی بندش، دھوکہ دہی دوسروں کے اذہان پر قابو پانا، وسوسے ڈالنا، اس طرح کے سب کام وجدانی قوت کا غلط استعمال ہے جس کی اسلام میں سخت مذمت کی گئی ہے ۔البتہ اس قوت کا اگر استعمال لوگوں کو راہ راست پر لانے کیلئے یا بیماریوں کا علاج کرنے کیلئے ہو تو باعث رحمت ہے

وجدانی کیفیت (ESP) والے لوگ اپنے نفس کو وقت کے دھارے پر آگے پیچھے بھیج کر وہاں کے حالات و واقعات کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسروں کے اذہان پر اثر پذیر ہو کر ان کے خیالات اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔ یہ ہر انسان میں فطری صلاحیت ہے جسے محنت، تعلیم و تربیت اور ریاضتوں سے بڑھایا جا سکتا ہے۔ اسلام اس قوت کے غلط استعمال سے منع کرتا ہے۔

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ کے فرمودات عالیہ

التماس ہے کہ آپ بانی سلسلہؒ کی تعلیم کی قدر و قیمت جانیں اور ان کی اپیل کو سنجیدگی سے لیں۔ ہماری قوم کی جو اخلاقی و سیاسی حالت ہے اور اُمت مسلمہ پر چاروں طرف سے جو خطرات منڈلا رہے ہیں انہیں بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ تمام مسلمان ملک بکھرے اور سہمے ہوئے ہیں اور دشمن کے حملے کیلئے اپنی باری کا حساب لگانے کیلئے عقل کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔ ہمارے اتفاق و اتحاد کی یہ صورت ہے کہ ہمارے علماء کرام جن کا منصب ہی مسلمانوں کو متحد رکھنا ہے وہ چھوٹے سے چھوٹے قصبے میں بھی مل کر نماز ادا کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ تو دنیا دار سیاستدانوں کے تحت ملکوں کا اتحاد کیسے صورت پذیر ہوگا۔ کسی لیڈر اور ایڈیٹر کی اپیل سے کہیں بھی زندگی اور اُمید کی لہر پیدا ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ ہر طرف موت کا سا سکوت چھایا ہوا ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے اور دل بھی یہ گواہی دیتا ہے کہ صرف آپ **قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ** کا نعرہ لگا سکتے ہیں۔ آپ کے پاس ہی وہ نسخہ کیمیا ہے جو قوم کی عروقِ مردہ میں زندگی کی لہر دوڑا سکتا ہے۔ (مقصود حیات)

واقعہ کربلا پر موقف

مرتب: سید رحمت اللہ شاہ - سویڈن

قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ کو امام غزالیؒ کی کتاب 'کیمیائے سعادت' واپس کرتے ہوئے محرم الحرام کی نسبت سے شہادت حضرت حسینؓ کے موضوع پر بات ہوئی تو آپؒ نے فرمایا کہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ ہماری تلواریں نہیں لہولہان ہوئیں تو ہم زبانیں کیوں لہولہان کریں۔ ہم کہیں اس زمانے میں ہوتے تو کسی نہ کسی کا ساتھ تو دینا ہی تھا۔ صحابہ جو بٹ گئے، ہم کیا ہیں، اس سیاسی قسم کے اختلاف میں ہم نے بھی تقسیم ہو ہی جانا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس دور میں جنگِ جمل اور صفین میں نوے ہزار کے قریب لوگ شہید ہوئے۔ اس میں جو سچا جھوٹا تھا اس کا فیصلہ بھی ہو چکا، وہ اپنی اپنی جگہ پہنچ بھی گئے، اگر ہم کوئی خلاف بات کریں گے تو مواخذہ ضرور ہوگا۔ اگر وہ (یزید) ٹھیک تھا اور ہم کہیں کہ برا تھا تو ضرور مواخذہ ہوگا کہ ہمارے اچھے بندے کو برا کہا۔ بعض بے عمل لوگوں کو ایسے مناظروں کے لئے کوئی نہ کوئی بات چھڑ جائے تو ان کو مزا آتا ہے، وہ ایسی باتیں بحث ومباحثے کرتے ہیں۔ ہے تو ایسی ہی بات کہ جب ہمیں اس دور میں پیدا نہیں کیا تو ہم کیوں جھگڑا کریں۔ وہ اللہ کے پاس ہیں، جس کا جہاں جہاں مقام تھا، اللہ نے ان کو پہنچا دیا۔ اب وہ دین آپ کے پاس ہے، آپ اچھے بن کے رہیں، اس پر بہتر عمل کر کے دکھائیں۔ آپ کے پاس وہی آئین ہے، وہی قرآن ہے، اب آپ کا ٹائم ہے۔ ہماری آزمائش ہے کہ ہم بھلا کیسے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر کسی نے غلط کام بھی کیا، اس کا وہ خود جوابدہ ہے۔ آپ تو صحیح کام کریں۔ کسی بزرگ کا بہت اچھا قول ہے کہ ہم ان کے دور میں ہوتے تو ہم نے بھی بٹ ہی جانا تھا۔ ہمیں آزمائش میں اللہ نے نہیں ڈالا تو ہم کیوں اس میں پڑیں۔ روایت کے مطابق وہ نمازیں اکٹھے پڑھتے تھے مگر سیاسی پہلو پر جنگ بھی تھی۔ کسی نے ان کی مسلمانی میں شک نہیں کیا، نہ کفر کے فتوے دیے۔ اب یہ ہے کہ ان کو لمبا کرنے کا اور مزید آگے کہنے کا کیا فائدہ؟

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ قبلہ بابا جانؒ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے۔ آج ادھر ایک واقعہ ہو اس کی تحقیق کریں تو ان لوگوں کے بیان نہیں ملتے جو وقوعہ کی جگہ پر موجود ہوتے ہیں، جنہوں نے واقعہ کو خود دیکھا ہو۔ جو لوگ حاضر ہوتے ہیں، ان کے سامنے واقعہ ہوا ہوتا ہے مگر ان کے بیانات ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ صحیح صورتحال کا معلوم کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ اس دور میں اتنی دُور ہوا۔ وہاں، ان میں سے کسی سے کوئی بیان منسوب ہی نہیں ہے۔ صدیوں بعد باہر کے لوگوں نے واقعاتِ کربلا لکھے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے، ان کے بارے میں کیا کہنا۔

قبلہ بابا جانؒ نے محمود عباسی کی کتاب 'خلافت معاویہ و یزید' کے بارے میں کہا یہ کوئی مشہور آدمی نہیں تھا بلکہ ایک سکول ٹیچر تھا لیکن اس نے کافی ریسرچ کر کے اس کے متعلق لکھا ہے، یہ اس کا کارنامہ تھا، لوگوں نے اسے بڑا Appreciate کیا۔ ایک ایسی بات جو واقعہ کربلا کے متعلق صدیوں سے زیب داستان کے طور پر چلی آ رہی تھی، جس پر کوئی بولتا نہیں تھا، اس نے اس پر بڑی تحقیق کی اور بڑے دعوے سے کہا کہ میں نے اس میں ایک لفظ بھی اپنی طرف سے نہیں لکھا۔ جس کتاب سے بھی حوالہ دیا کہ یہ کتاب، فلاں جگہ کی چھپی ہوئی، فلاں پبلشر کی ہے۔ اس نے عدالت میں بھی یہی کہا کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا، اور نہ ہی میں نے اپنی طرف سے اس میں کچھ Add کیا ہے۔ اُن کی کتابوں سے حوالہ جات لیے ہیں۔ اس کتاب کو پڑھ کے ایک نئی تصویر ابھرتی ہے۔ حضرت حسینؓ کا آنا، ان کی Family کا ساتھ جانا۔ جہاد پہ تو لوگ ایسے نہیں جاتے کہ بال بچوں کو اور فیملی کو ساتھ لے کے چلیں۔ یزید کے ساتھ جنگ کیلئے جا رہے ہیں اور معصوم بچوں کو بھی ساتھ لے جا رہے ہیں۔ اس وقت کے اکابر صحابہؓ نے کہا کہ آپؓ نہیں جانتے کوفے والوں کو۔ کوفے والوں کے بارے میں مشہور ہے کہ 'کوفي لا يوفي'۔ 'کوفی وفا نہیں کرتا'۔ یہ ضرب المثل ہے کہ کوفی کسی کے ساتھ وفا نہیں کرتا۔ ان کے دل آپؓ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔ لیکن نہیں مانے اور مسلم بن عقیل کو حفظِ ماتقدم کے تحت

بھیجا کہ چلو یہ جا کر دیکھ آئیں۔ پہلے ہی دن اٹھارہ بیس ہزار بیعت ہو گئے، انہوں نے کہا کہ یہ بالکل تیار ہیں۔انہوں نے جو خط لکھے ہیں کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے، آپؓ تشریف لے آئیں۔ ظاہر ہے کہ پھر بات تو حکومت کی تھی کہ آپؓ آجائیں اور ہم آپ کی بیعت کر لیتے ہیں۔ ہماری خلافت میں آ کر آپؓ امیر بن جائیں۔

یہ بات بھی کہتے ہیں اسلام میں فرق ہے کہ جس کی بیعت ہو جائے وہی امیر ہے، دوسرا کوئی اٹھے تو اسے کاٹ دو۔حضرت عمرؓ نے بھی جو کمیٹی بنائی تھی، اسے تلوار ساتھ دے کے بھیجا تھا۔جو اختلاف کرے اس کا سر اتار دو، جو بھی ہو۔ہمیشہ ہم خیال ہو کر چلنا ہے۔یہ نہیں کہ میرا یہ اختلاف ہے، اس کو اسی وقت کاٹ دو۔امت کا اتحاد جو ہے اس میں ایک آدمی وہ کوئی بھی ہو کوئی معنی نہیں رکھتا۔حکمرانوں کی Psychology تھوڑی مختلف ہوتی ہے۔اس میں یہ کوئی بات نہیں کہ ایک آدمی مر جائے۔جس کی بیعت پہلے ہو جائے حدیث ہے کہ اس کو قائم رکھو، جو بعد میں اُٹھے اس کو بتا دو کہ اس کی بیعت قائم ہو چکی ہے۔

انہوں نے کہا کہ جانا ہے تو بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں۔بھائی مسلم بن عقیل نے پیغام بھیجا کہ بالکل سب تیار ہیں، آپؓ آجائیں۔کوفہ میں دوسرا گورنر آ گیا، اس نے ڈنڈا کھڑکایا تو سب بھاگ گئے۔سویرے سویرے پھر دوسرا پیغام بھیجا کہ کسی طرح یہ پیغام پہنچا دو میرا کہ یہاں نہ آئیں۔یہاں سب اُلٹ گیا ہے اور وہ سب بھاگ گئے ہیں۔راستے میں آپؓ کو پیغام مل گیا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں اس لئے جا رہا ہوں۔انہوں نے کہا کہ مجھے ان لوگوں نے بلایا ہے۔ یہ خطوط ہیں آپ کے جس کیلئے میں جا رہا ہوں۔Clearcut لکھا ہے کہ میں اس کی حکومت گرانے کیلئے نہیں۔بہتر (۷۲) آدمیوں سے، وہ کچھ بچے ہیں، لڑنے والے کوئی چالیس پچاس ہوں گے۔ان کے ساتھ تو حکومت کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔اتنی کمزور اسلامی حکومت تو نہیں تھی۔ ساری دنیا پر اس کا ڈنکا بجتا تھا، اسے آپؓ گرا سکتے تھے؟ وہ تو اس لئے گئے تھے کہ وہاں میدان خالی ہے، اس لئے بچے بھی ساتھ تھے۔جب راستے میں آپؓ کو پیغام مل گیا اور وہ آ بھی گئے تو انہیں دکھائے

کہ میرے پاس خطوط ہیں ۔ یہ دعوت نامہ ہے مجھے جانے دیں، اگر نہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ دوسری بات یہ تھی کہ مجھے کوفہ جا کر یزید سے مل لینے دیں۔تیسری یہ شرط تھی کہ اگر وہاں بھی میرے وجود سے خطرہ ہے کہ وہاں جا کر کوئی سازش کرونگا تو مجھے وہاں سرحدوں پر بھیج دیں جہاں جہاد ہو رہا ہے ۔ میں وہاں جہاد کرتا رہوں گا اور کہیں شہید ہو جاؤں گا۔ میں ادھر عوام میں نہیں جاؤں گا جہاں بغاوت پھیلانے کا خطرہ ہے۔مجھ سے یہ خطرہ ہے تو مجھے آپ اُدھر بھیج دیں۔کتنا Peaceful approach ہے۔نہ اس میں یزید کی حکمرانی کے خلاف کوئی بات ہے، نہ بغاوت کی بات ہے۔یہ تو انہوں نے بلایا کہ ہم بغیر امام کے ہیں تو آپؓ آجائیں۔وہاں جو ابو مسلم کے بھائی تھے، انہوں نے کہا کہ نہیں جی اب آپؓ واپس کیسے جاسکتے ہیں، ہمارا بھائی قتل ہو گیا ہے اور آپؓ واپس جانا چاہتے ہیں۔اب ہم وہاں جائیں گے یا خون کا بدلہ لیں گے یا مر جائیں گے، واپس نہیں جانا ہم نے۔ادھر بھی دباؤ تو تھا کہ ہمارا بھائی مروا دیا ہے اور اب واپسی کا پروگرام ہے۔ان کا بھی دباؤ تھا کہ اب آگے جانا ہے۔یہ ساری Situation تھی۔ایک عورت کے متعلق لکھا ہے کہ اسکے خاوند نے کہا کہ تم ان کے ساتھ جاؤ گی تو تمہیں طلاق ہوگی۔انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے تم مجھے طلاق دے دو، میں ان کے ساتھ جاؤں گی، وہ طلاق لے کر ساتھ آئیں۔ ایسی Situation تھی۔رُخ تو کوفہ کا تھا، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دارالحکومت رہا تھا، انکے عقیدت مندوں کا ایریا تھا۔اُن کی ہمدردی حضرت علیؓ کی اولاد کے ساتھ تو تھی، آپؓ نے وہاں ہیڈ کوارٹر بنایا تھا۔اس کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنا رُخ کوفہ سے دمشق کی طرف کر لیا تھا۔مقام کربلا جو دمشق کے راستے میں آتا ہے، کوفہ کے راستے میں نہیں۔آپؓ نے اپنا رُخ اس طرف کر لیا کہ میں وہاں جاتا ہوں، اپنے بھائی سے، یزید کے ساتھ میں خود معاملہ Deal کر لیتا ہوں۔وہ کوفی بضد تھے جنہوں نے خطوط لکھے تھے، انہی کی فوج تھی، مرکزی فوجیں تھوڑی تھیں۔ہر جگہ مقامی فوجیں ہوتی تھیں۔انہی لوگوں نے خط لکھے ہوئے تھے۔وہ خطوط بھی آپؓ کے ساتھ تھے۔

اب یہ تھا کہ اگر خطوط انہوں نے جا کر یزید کو دکھائے تو یزید ان کو تو معاف کر دے گا۔ ان کو تو انعام و اکرام دے گا، وظیفے مقرر کرے گا، جیسے پہلے چل رہے تھے کہ خط مجھے دے دیں اور آپؑ جائیں اور آرام سے رہیں۔ لیکن یہ خطوط جنہوں نے لکھے ہیں ان کو نہیں بخشے گا۔ ان کو نہیں چھوڑے گا جن کے خط ہیں، انہوں نے کیوں لکھے؟ یہ تو بغاوت ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہماری موت اور زندگی کا سوال ہے، یزید ہمیں نہیں چھوڑے گا۔ ان کی کاروائی تھی۔ یہ لمبی، چوڑی داستانیں کہ یہ ہوا۔ وہ ہوا۔ چالیس پچاس آدمی تھے۔ کوئی فوج تو نہیں تھی اس طرف۔ کچھ خواتین اور بچے ساتھ تھے۔ نہ پانی بند ہوا، پانی بھی تھا وہاں۔ مہندی بھی ہوئی، وہاں شادیاں بھی ہوئیں، یہ سب ان کی کتابوں میں لکھا ہے۔ پانی کے چھٹے مارے گئے۔ اس کتاب میں لکھا ہے کہ پانی تھا۔ مہندی رچانے کیلئے تھا، شادی کیلئے تھا، اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بچے پیاسے مر گئے؟ کافی حقائق لکھے ہیں۔

ان کی ایک کتاب Iranian Revolution ہے اس میں ابوالحسن علی ندویؒ نے چودہ پندرہ صفحے کا دیباچہ لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہم عوام کو کیا کہیں۔ ہم جو بڑے علماء اپنے آپ کو کہتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ زندگی اسی میں گزاری ہے، ہمیں آج تک نہیں پتا چلا کہ 'شیعہ' کون ہیں؟ ان کے اصل عقائد کیا ہیں؟ ہمیں نہیں پتا۔ ہمارے بااثر علماء جو انہیں پہلے سمجھانے کی ضرورت ہے کہ وہ وہی بات کرتے ہیں جو شیعہ کرتے ہیں۔ یہ حسین علیہ السلام، علی علیہ السلام، فاطمہ علیہ السلام۔ ان کا یہ دین ہے کہ یہ سارے پیغمبروں سے بھی اونچے ہیں۔ ہمارے سارے علماء وہ بھی یہ بات کرتے ہیں۔ سارے جانتے ہیں کہ علیہ السلام 'نبیوں' کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن یہ سب یہی کہتے ہیں۔ پہلے تو ان کو ضرورت ہے سمجھانے کی کہ وہ پھر عوام کو سمجھائیں۔ ابوالحسن علی ندویؒ نے کہا کہ ہمیں آج تک ان کے بارے میں صحیح عقائد کا پتہ نہیں چلا۔ یہ تو منظور احمد نعمانی صاحب کا بھلا ہو کہ انہوں نے یہ تحقیق کر کے نکالا ہے۔ ان کی کتابیں پریس میں چلی گئیں ورنہ وہ سیکرٹ تھیں۔ ان کی کوئی کتابیں بھی منظر عام پر نہیں تھیں، سب مخفی تھیں ان کے Original faith کا کسی کو پتہ نہیں تھا۔ ان کی کتابیں باہر نکل آئیں اور کچھ لوگوں کو

پتا چلا کہ ان کے اصل عقائد کیا ہیں۔اس میں یہ ساری باتیں لکھی گئی ہیں کہ ان کے عقائد میں ہے یہ اس قرآن کو نہیں مانتے۔ان کا فاطمی قرآن ہے۔فاطمی قرآن جس کا اصل نسخہ کے مطابق،اس میں ایک لفظ بھی وہ نہیں ہے جو ہمارے پاس ہے۔یہ بھی لکھا ہے کہ جو ولا الضالین' کے بعد' آمین' کہتا ہے،اس کی نماز نہیں ہوتی۔جو ہاتھ پہ ہاتھ باندھتا ہے اس کی بھی نماز نہیں ہوتی۔یہ مکہ مدینہ سے صدیوں سے چلا آرہا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوتی۔ان کے نزدیک صرف تین چار مسلمان رہ گئے تھے،باقی سارے مرتد ہو گئے تھے اور یہ سارے بڑے دنیا دار تھے۔حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ بھی سارے بڑے دنیا دار تھے۔دنیا کی لالچ میں سارے مسلمان ہوئے تھے۔وہ جب مہدی آئیں گے،ان کی قبریں اُکھاڑیں گے،ان کو پھانسی دیں گے،سو بار زندہ کریں گے، سو بار ماریں گے،ان دونوں کو تا کہ حرم شریف پاک ہو۔یہ خمینی صاحب کی فرسودہ سوچ ہے۔

شیعوں کے بارے میں خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا فارمولا

"میرے پاس اہلِ تشیع کے بارے میں ایک فارمولا ہے: شیعہ۔نفرت = ولی اللہ شیعہ لوگ حضور نبی کریم ﷺ اور ان کے اہلِ بیت سے جتنی محبت کرتے ہیں اور ان کے مصائب پر روتے ہیں تو ان کو اتنا فیض ملے کہ سب ولی اللہ ہو جائیں لیکن حضور اکرم ﷺ کے خلفاء اور صحابہ کرام سے ان کی شدید نفرت انہیں کہیں کا نہیں چھوڑتی۔"

رسولوں کا غلبہ

(محمد طارق جی ٹی روڈ واہ کینٹ)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔۔

ترجمہ:۔"اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور بالضرور غالب ہو کر رہیں گے فی الواقع اللہ زبردست اور زور آور ہے"۔(سورۃ المجادلہ 21)

اللہ تعالیٰ نے جب بھی اپنے نبی اور رسول بھیجا تو قوم ان کی مخالفت اور شدید دشمنی پر کمر بستہ ہو جاتی تھی، نبی قتل بھی ہوئے اور اس کے باوجود ان کی قوموں کو مہلت ملتی رہی لیکن رسولوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ ان کے مقابل آنے والے لوگ ان کی زندگی میں ہی مغلوب ہو گئے اور رسول پورے احترام اور وقار کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ رسول تو بہت سارے مبعوث ہوئے، ان میں سے پانچ اولوالعزم رسولوں کا معاملہ ہی دیکھ لیجیے۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے صدیوں ان سے دشمنی کی اور بالآخر وہ سب غرق آب کر دیے گئے۔ اور نوح علیہ السلام کو وفات کے وقت مکمل غلبہ، وقار اور احترام حاصل تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کی قوم ان کے مقابلے میں ناکام ہو گئی اور انہیں وفات کے وقت مکمل غلبہ، وقار اور احترام حاصل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابل آنے والا فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ ان کی قوم بنی اسرائیل میں بہت منافقت تھی اور وہ نافرمانیوں پر تلی رہی۔ خاص طور پر انہوں نے فلسطین پر حملہ آور ہونے کا حکم ماننے سے انکار کیا جس کے نتیجے میں وہ لوگ چالیس سال صحرا نوردی پر مجبور رہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو ان سب نافرمانوں کے مرنے تک زندہ رکھا اور جب ان کی اولادوں نے ارضِ فلسطین پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنالیا تب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو پورے وقار اور سکون کی حالت میں وفات دی۔ احادیث پاک سے واضح ہے کہ عیسٰی علیہ السلام بھی اپنی وفات سے پہلے اپنے سب دشمنوں کو شکست دے چکے ہوں گے اور دنیا بھر کے حاکم کی حیثیت سے دنیا سے پردہ فرمائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ سے بھی اسی طرح دشمنی کی گئی جیسے

اس سے پہلے ان کے دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ کی گئی تھی اور نتیجہ بھی وہی آیا۔ جب آپ ﷺ کی وفات کا وقت آیا تو آپ ﷺ کے سارے دشمن (کفار و منافقین) مغلوب تھے اور آپ ﷺ کے جانثار صحابہ کا لشکر دنیا کی ساری بڑی سلطنتوں کو فتح کرنے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اور آپ ﷺ بھی باقی سب رسولوں کی طرح پورے سکون اور وقار کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

مسلمانوں سے ایک مذہبی گروہ رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا تو پوری طرح سے قائل ہے لیکن آپ ﷺ کی وفات سے ملحقہ دور سے متعلق بعض ایسے قصے بیان کرتا ہے جن سے اُس دور میں رسول اللہ ﷺ کی شدید بے بسی، توہین، ان کی شدید نافرمانی اور ان کی اہل بیت پر بہت سے مظالم کا تصور ابھرتا ہے۔ کیا انہوں نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ ان کے بیان کردہ قصے اللہ تعالیٰ کی رسولوں سے متعلق سنت اور اللہ تعالیٰ کے اس آیت میں کیے گئے وعدے کے خلاف ہیں اور اہل سنت اس دور کے حالات کو جس طرح بیان کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رسولوں کے بارے میں سنت کے عین مطابق ہیں۔

روایت ہے کہ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں بہت سی بستیاں فتح کردیں تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں روم اور فارس بھی فتح کرادے گا تو منافقوں نے کہا کہ کیا تم نے فارس اور روم کو بھی ان بستیوں کی مانند سمجھ لیا ہے جن پر تم غالب آچکے ہو؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے محولہ بالا آیت نازل فرمائی''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایرانی لشکر کے مقابل خود جانے سے روکنے کے لیے جو دلائل دیے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ فتح کے لیے آپ کا وہاں جا کر لشکر کی قیادت کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پہلے سے اس فتح کا ہم سے وعدہ کرچکا ہے۔ انتہائی غور کا مقام ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے دور میں ہونے والی فتوحات کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی فتوحات کہا ہے۔ کیا اس روشن دلیل کے بعد بھی اُن کے پاس اس بات کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ وہ ان جلیل القدر رفقائے الرسول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کا نافرمان قرار دیں؟۔

خطاب بن معلیٰ کی اپنے بیٹے کو وصیت

(مرتبہ: محمد بشیر جمعہ)

اے بیٹے! اللہ کا تقویٰ اور اس کی اطاعت اختیار کرو۔ رسول ﷺ کی سنت اور ان کی شریعت پر عمل کرتے ہوئے اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے دور رہو۔ اس سے تمہارے عیب ٹھیک ہو جائیں گے اور تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ میں نے تمہیں ایک راستہ دکھادیا ہے۔ اگر تم نے اسے اچھی طرح ذہن نشین کرلیا اور اس پر عمل کیا تو تم مرجع خلائق بن جاؤ گے۔ لہٰذا تم اپنے والد کی اطاعت اور اس کی وصیت پر اکتفا کرو اور اپنا ذہن اس کے لئے فارغ کرو اور اپنا قلب و ضمیر پوری طرح ادھر متوجہ کرو۔ اپنے آپ کو بے ہودہ گفتگو، زیادہ ہنسنے زیادہ مذاق کرنے اور دوستوں کے ساتھ گپ شپ سے بچاؤ کیونکہ اس سے وقار میں کمی آتی ہے اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ سنجیدگی اور وقار سے رہو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ تکبر اور غرور کا اظہار کیا جائے۔ دوست اور دشمن کو کشادہ پیشانی سے ملو اور انہیں ایذا نہ پہنچاؤ لیکن تمہیں ان کے سامنے ذلیل بھی نہیں ہونا چاہیے اور ان سے ڈرنا بھی نہیں چاہیے۔ تمام معاملات میں میانہ روی اختیار کرو۔ لگا تار ایک طرف نہ دیکھو اور زیادہ ادھر ادھر بھی مت دیکھو۔ لوگوں کے پاس کھڑے نہ رہو۔ بازار میں نہ بیٹھو۔ غسلخانہ کو گفتگو کی جگہ نہ بناؤ۔ ریا کاری نہ کرو۔ بے وقوفوں کے ساتھ جھگڑا نہ کرو۔ مختصر کلام کرو۔ اگر مذاق کرو تو سنجیدہ طریقہ سے کرو۔ ہاتھوں کی دونوں انگلیوں کو آپس میں نہ ملاؤ اور انگلیوں کی آوازیں نہ نکالو۔ اپنی داڑھی، انگوٹھی اور تلوار کے سرے سے کھیلنے سے بچو۔ نیز دانتوں کے خلال کرنے، اپنے ناک میں انگلی ڈالنے، بار بار مکھیاں اڑانے بہت زیادہ جمائی اور انگڑائی لینے اور اس قسم کی ایسی چیزوں سے بچو جن سے لوگوں کی نگاہوں میں تم حقیر بن جاؤ اور تمہاری طرف اشارے کئے جائیں۔ تمہاری مجلس ایک مثالی اور رہنما مجلس ہونی چاہیے

مختلف موضوعات پر بات کرو۔جو شخص تمہارے سامنے اچھی بات کر رہا ہو اسے غور سے سنو لیکن اس پر کسی تعجب کا اظہار نہ کرو اور نہ دوبارہ پوچھو۔ لوگوں کے سامنے اپنا خواب بیان نہ کرو۔کیونکہ اگر تم نے مندرجہ بالا اشیاء کے پسند ہونے کا اظہار کیا تو بے وقوف لوگ اس میں لالچ کریں گے اور خواب بنا کر تمہارے سامنے پیش کریں گے اور تمہاری عقل و فہم کے بارے میں مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کریں گے۔عورت کی طرح آرائش و سنگھار نہ کرو۔غلاموں کی طرح میلے کچیلے نہ رہو۔اپنی داڑھی کو مت اکھاڑو اور ٹھوڑی کے نیچے بال نہ منڈاؤ۔زیادہ بال موںڈنے اور سفید بال اکھاڑنے سے پرہیز کرو۔ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن سرمہ لگاؤ۔کسی سے کوئی چیز مانگتے وقت نہ تو زیادہ چمٹو نہ عاجزی اختیار کرو۔اپنی بیوی اور اولاد کو مال کی صحیح مقدار نہ بتاؤ کیونکہ اگر ان کی نگاہ میں یہ مال کم ہوا تو تمہاری قدر کم ہو جائے گی اور زیادہ ہوا تو ان کی ضرورتیں تمہارے لئے پورا کرنا مشکل ہو جائے گا۔بیوی اور اولاد کے علاوہ بھی اپنے مال کے متعلق کسی کو نہ بتاؤ۔ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اگر چہ تم سختی کرنے پر قادر ہی کیوں نہ ہو۔اپنی لونڈی کے ساتھ ہنسی مذاق نہ کرو۔جب کسی کے ساتھ مقابلہ کرو تو وقار کو ملحوظ رکھو اور اپنی جہالت اور جلد بازی کا ثبوت نہ دو نہایت غور و فکر کے ساتھ بات کرو۔حاکم کے سامنے بڑے وقار اور حوصلہ سے پیش آؤ اپنے ہاتھ سے زیادہ اشارہ نہ کیا کرو اور اپنے گھٹنوں کے بل مت چلو۔غصے اور جلد بازی سے بچو۔اگر تمہیں بے وقوف کہا جائے تو حوصلہ سے کام لو۔جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو پھر بات کرو۔

اپنی عزت و خاندان کی حفاظت کرو۔فضول باتیں نہ کرو۔اگر تمہیں بادشاہ (افسر) کا قرب حاصل ہو جائے تو اس قرب کی ایک حد ہونی چاہیے اگر وہ تمہارے ساتھ بے تکلف ہو جائے تو اس کے بدل جانے کی بھی فکر کرو اور اس کے ساتھ اس طرح نرمی سے پیش آؤ جس طرح بچے کے ساتھ پیش آتے ہو۔جتنا وہ چاہے اتنا اس سے گفتگو کرو۔اس کی اور اس کے خواص کی نرمی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کی اولاد، بیوی اور فوج وغیرہ میں دخل اندازی شروع کر دو خواہ تمہاری بات سنی اور مانی ہی جا رہی ہو۔کیونکہ ایک کم درجہ کے آدمی کا

بادشاہ اور اس کے گھر والوں کے معاملات میں دخل دینا ایسی ہار ہے کہ جس سے اٹھنا مشکل ہو جائے گا اور ایسی ذلت ہے کہ جس کا برداشت کرنا دشوار ہو گا۔

جب وعدہ کرو تو پورا کرو۔ بات کرو تو صحیح بات کرو۔ اس طرح زور سے نہ بولو جس طرح بہرے آدمی کے سامنے بولا جاتا ہے اور نہ اتنی آہستہ بات کرو جس طرح گونگے کے ساتھ بات کی جاتی ہے۔ باتوں میں سے بہتر بات کو تلاش کرو۔ جب سنی ہوئی بات کرو تو جس سے سنی ہو اسی کی طرف منسوب کرو۔ ایسی بیہودہ اور قابل اعتراض بات کرنے سے گریز کرو جسے دل تسلیم نہ کرے اور رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ بار بار ہاں، ہاں یا نہیں، نہیں یا اس طرح کی دوسری باتوں سے بچو۔

جب وضو کرو تو اپنے ہاتھوں کو اچھی طرح صاف کرو اور بہتر یہ ہے کہ صابن استعمال کیا جائے جس طرح دانتوں کے لئے مسواک استعمال کی جاتی ہے۔ اپنے منہ پر ٹھہر ٹھہر کر پانی ڈالو۔ اس طرح کلی نہ کرو کہ چھینٹیں ساتھ والے آدمی پر جا پڑیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم ایک لقمہ اٹھاؤ، اس میں سے آدھا کھا لو اور آدھے کو دوبارہ سالن لگاؤ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ دستر خوان پر جو چیز پیش کی جائے اس میں عیب نہ نکالو۔ اور احمق مغرور کی طرح اسراف نہ کرو۔ اپنے مال میں محتاجوں کے حقوق کا خیال رکھو اور دوست کی عزت کا بھی خیال رکھو۔ لوگوں سے مستغنی رہو۔ ذلت کے ساتھ مانگنا گردن کو توڑ دیتا ہے۔ بعض دفعہ ایک لقمہ بہت سے لقموں کو روک دیتا ہے۔ سوال سے بچنا بہت بڑا مال اور بہت بڑا خلق ہے۔ آدمی کو اپنی قدر پہچاننی چاہیے۔ یہ چیز اس کی شہرت کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص اپنی حیثیت سے آگے نکل جاتا ہے۔ وہ خطرناک گڑھے میں جا گرتا ہے۔ سچائی زینت اور جھوٹ عیب ہے۔ سچائی بہت جلد سچے آدمی کو نازک بنا دیتی ہے۔ جھوٹے آدمی کے ساتھ احسان کرو وہ جلدی تمہارے تابع ہو جائے گا حلیم الطبع آدمی کی دشمنی بے وقوف کی دوستی سے بہتر ہے۔ بری بیوی کمزور کر دینے والی بیماری ہے۔ بوڑھی عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے۔ عورت کی تابعداری عقلمند کو عیب دار بنا دیتی ہے۔

عقلمندوں کی مشابہت اختیار کرو انہی میں سے ہو جاؤ گے۔ شرف اور عزت کے لئے

کوشش کرو اسے پالو گے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آدمی جہاں اپنے آپ کو رکھے گا وہیں کا ہوگا آدمی اپنے کام کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور آدمی اپنے ساتھی سے پہچانا جاتا ہے۔ برے ساتھیوں سے بچو کیونکہ وہ اس آدمی کے ساتھ خیانت کرتے ہیں جو ان کے ساتھ رفاقت اختیار کرتا ہے۔ اور ان لوگوں کو غم میں ڈالتے ہیں جو ان کے ساتھ دوستی اختیار کرتے ہیں۔ ان کا قرب خارش کی بیماری سے زیادہ خطرناک ہے اور ان کا چھوڑنا ادب کی تکمیل ہے۔ جلد بازی نحوست ہے اور بری تدبیر کمزوری کی علامت ہے۔ دوست دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو مصیبت کے وقت حفاظت کرتے ہیں دوسرے وہ جو خوشحالی کے وقت دوست رہتے ہیں۔ مصیبت کے وقت حفاظت کرنے والے کو یاد رکھو اور آسودگی کے وقت والے دوست سے دور رہو۔ کیونکہ یہ بڑا دشمن ہے۔

جو شخص خواہش نفس کی تابعداری کرتا ہے ہلاک ہوتا ہے۔ لوگوں کی جہالت پر تعجب نہ کرو اپنے سے کم تر آدمی کے سامنے خواہ مخواہ نہ جھکتے رہو۔ اپنی عزت سے زیادہ مال کو عزت نہ دو۔ زیادہ بناؤ سنگھار اور چمک دمک سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہ عورتوں کا طریقہ ہے عورتوں کے ساتھ عشق و محبت کرنے کے لئے زیادہ بن ٹھن کے نہ رہو۔ اپنے فارغ اوقات کو صحیح طور پر استعمال کرو عزت دار لوگوں سے قرب کو شعار بناؤ۔ اپنی ضرورتوں کا خیال رکھو۔ اور حملہ کے وقت ثابت قدمی کا ثبوت دو۔ اور مزید برآں جیسا دیس ویسا بھیس کے مقولہ پر عمل کرو۔ جب تک سوچ نہ لو اس وقت تک کام شروع نہ کرو۔ جانے سے پہلے واپس آنے کی سوچو۔ مسواک کرو اور عرضاً مسواک کرو۔ تحفہ تحائف دیا کرو۔ جو اپنی عزت کی حفاظت کرتا ہے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ جاہل کا تمہاری مذمت کرنا اس کی تعریف کرنے سے بہتر ہے حق کو پہچاننا بہترین اخلاق کی علامت ہے۔ اچھا دوست چچا کا لڑکا ہے۔ جو لوگوں پر آسانی کرتا ہے وہ بڑا اپنایا جاتا ہے۔ گفتگو کو مختصر کرو۔ زیادہ آرزوئیں رکھنا گمراہی ہے۔ غلام کو مارنا پیٹنا بدبختی ہے۔ حماقت ایک ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں اور بردباری بہترین مددگار ہے۔ دین تمام چیزوں سے زیادہ مزین ہے۔ نشہ شیطانی عمل ہے اور مخمور آدمی کی گفتگو بکواس ہوتی ہے۔ شعر کوئی ایک قسم کا جادو ہے

ڈانٹنا بے قراری کی علامت ہے ۔ بخل بدبختی ہے ۔ بہادری زندگی کی علامت ہے ۔ ہدیہ دینا اندرونی اخلاق ہے اور یہ محبت پیدا کرتا ہے ۔ جو نیکی کی ابتداء کرتا ہے وہ گویا قرض دیتا ہے ۔ بغیر کہے ابتداء کرنا نیکی ہے ۔ ریاکار آدمی سخاوت کی طرف لوٹتا ہے ۔ ریاکاری کے ساتھ بھلائی کرنا علانیہ برائی کرنے سے بہتر ہے ۔ عادت مستقل طبیعت بن جاتی ہے بھلائی کا بدلہ بھلائی اور برائی کا بدلہ برائی ہوتا ہے ۔ زیادہ بیماریاں بخل کی وجہ سے ہوتی ہیں ۔ برے لوگ زیادہ بیمار ہوتے ہیں فراخدلی سے ملنا دشمنی ختم کردیتا ہے ۔ نرمی سے گفتگو بہترین اخلاق کی علامت ہے ۔

اے بیٹے ! آدمی کی بیوی اس کا سکون ہوتی ہے ۔ اس کے اختلاف کی وجہ سے زندگی بےمزہ ہوجاتی ہے ۔ جب تم نکاح کا ارادہ کرو تو اس کے خاندان کے بارے میں ضرور معلوم کرلو کیونکہ پاکیزہ اور اچھی جڑیں میٹھا پھل پیدا کرتی ہیں اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عورتیں ہاتھ کی انگلیوں سے بھی زیادہ مختلف ہوتی ہیں لہٰذا ان میں سے بیہودہ گوئی کرنے والی اور تکلیف دہی کی عادی عورت سے بچ کر رہنا ۔ عورتوں کی کئی اقسام ہیں ان میں سے ایک عورت وہ ہے جو اپنے آپ کو بہت پسند کرتی ہے اپنے شوہر کے ساتھ ہوشیاری سے پیش آتی ہے ۔ اگر وہ اس کی عزت کرے تو وہ اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھتی ہے ۔ اچھی چیز پر شکر ادا نہیں کرتی اور کم مقدار پر راضی نہیں ہوتی ۔ اس کی زبان اس کے خلاف تیز تلوار کی طرح چلتی ہے اور اس کی بے شرمی اس کے چہرے سے حیا کے پردے کو اڑا دیتی ہے ۔ اپنی بے پردگی پر اسے کوئی شرم نہیں اور نہ اپنے پڑوسی سے اسے کوئی حیا آتی ہے ۔ بھونکنے، نوچنے اور کاٹنے والی کتیا ہے ۔ اس کے خاوند کا چہرہ زخمی اور اس کی عزت مجروح ہوتی ہے ۔ اس معاملہ میں نہ تو اسے دین کا خیال ہے نہ دنیا کا ۔ وہ اپنے شوہر کی اس کے دوستوں اور زیادہ اولاد کی بنا پر حفاظت نہیں کرتی ۔ ایسی عورت کے شوہر کا حال یہ ہے کہ اس کا پردہ پھٹا ہوا، ستر کھلا ہوا، بہتری اور بھلائی غائب، صبح وشام تکلیف ہی تکلیف، اس کا بیٹا کڑوا اور کھانا غم وغصہ، بچے ضائع ہو رہے ہیں گھر ختم ہو چکا ہے کپڑے میلے ہیں، سر کے بال بکھرے ہوئے ۔ اگر ہنسے تو بہت آہستہ ۔ اگر بولے تو مجبوراً اس کا دن رات کی مانند اور رات

بہت دشوار، اسے اس کی عورت سانپ اور زہریلے بچھو کی طرح ڈستی ہے۔

اور دوسری عورت بوڑھی اور جھریاں پڑی ہوئی، لمبے قد کی انتہائی زہریلی اور بدخو، جو ہر ہوا کے ساتھ چلتی ہے اور ہر ہوا کے ساتھ اڑتی ہے اگر مرد کہے نہیں تو وہ ہاں کرے گی اور وہ ہاں کرے تو وہ اس کے مقابلہ میں نہیں کہے گی۔ گویا وہ مردوں کی رسوائی کے لئے پیدا کی گئی ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں وہ اس کے نام رکھتی ہے اور اس کو لوگوں کے سامنے بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔ نتیجتاً سکون اس سے رخصت ہو چکا ہے۔ زندگی بے کیف اور رائیگاں نظر آنے لگی ہے دوست ایک ایک کر کے چھوٹ رہے ہیں اس کی حالت اتنی سقیم ہو چکی ہے کہ پڑوسیوں کو بھی رحم آنے لگا ہے۔

تیسری عورت بہت بے وقوف، بے محل اور بلا وجہ ناز کرتی ہے چبا چبا کر بولتی اور اپنی لیاقت کے برعکس کام کرتی ہے۔ مرد کی محبت پر قانع اور اس کی آمدن پر راضی ہے۔ بھوکے گدھے کی طرح کھاتی اور سورج نکلتے تک سوتی رہتی ہے اور گھر کو صاف نہیں کرتی کھانا باسی برتن گندے، سامان بکھرا ہوا اس کے گھر کی چیزیں کوئی نہیں لے سکتا نوکر کو پیٹتی اور پڑوسی کے ساتھ جھگڑتی ہے۔

چوتھی عورت وہ ہے جو مرد پر بڑی مہربان، محبت کرنے والی، بہت مبارک بچے جننے والی انتہائی باعزت، پڑوسیوں میں محبوب، اس کی ظاہری خوبیوں اور پوشیدہ صلاحیتوں کی تعریف کی جاتی ہے۔ خاوند کی بہت تعریف کرنے والی، بہت فیاض، آواز مدھم رکھنے والی اور گھر کو صاف رکھنے والی ہے اس کا خادم خوشحال اور اولاد مزین ہے۔ اس کی بھلائی ہمیشہ رہنے والی ہے خاوند بھی اچھا ہے۔ لوگوں کے ہاں بہت محبوب ہے اور اس کی پاک دامنی اور بھلائیوں کی تعریف کی جاتی ہے۔

اے بیٹے! اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا بنائے کہ تمہاری عادات کی اقتداء کی جائے۔ تم تقویٰ اختیار کرو، غصہ سے دور رہو اور خدا کی رضا مندی کو محبوب سمجھو۔ اللہ تمہارا کارساز، اور تمام معاملات کا متولی ہو اور طاقت وقوت اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے اور نبی ﷺ پر بہت زیادہ درود وسلام ہو۔

انوکھا مسافر

(طاہرہ پروین)

اچھرہ لاہور کے قریب ایک اسلامی قصبہ ہے۔ کئی سال گزرے اس قصبہ کی جامع مسجد میں نمازِ مغرب پڑھی جارہی تھی کہ ایک نہایت ہی دبلا پتلا مسافر آیا اور شامل نماز ہوگیا۔ اگرچہ یہ مسافر ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا لیکن صورت بااثر تھی۔ نماز پڑھی گئی اور نمازی اپنے گھروں کو چلے گئے۔ تھوڑے عرصے بعد ایک مقامی مسلمان کھانا لے کر مسجد میں داخل ہوا اور اس سے کہا کہ " آپ بھوکے ہوں گے میں کھانا لایا ہوں، تناول فرمالیں۔" مسافر نے جواب دیا لیکن معاف فرمایئے مجھے کچھ پرہیز ہے۔ "حضرت آپ فکر نہ کریں یہ سادہ سی روٹی ہے مرچ کم ہے اور گھی بھی بازاری نہیں ہے" مقامی مسلمان نے جواب دیا۔ بھائی میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ مسافر نے کہا، پھر کیا مطلب؟ مسافر چپ ہوگیا اور مقامی مسلمان اس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔ مسافر نے کہا "امید ہے کہ آپ مجھے معاف فرمائیں گے مجھے آپ سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی۔

لیکن آپ کھانا لے کر آگئے تو مجبوراً مجھے عرض کرنا ضروری ہوگیا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ شریعت اسلام میں طعام حلال نماز پنجگانہ ہی کی طرح فرض ہے۔ ایک روایت ہے کہ اگر کسی مسلمان کا لقمہ حلال نہ ہو تو اللہ کی بارگاہ میں اس کے نہ تو فرض قبول ہوتے ہیں اور نہ نفل۔ اس انگریزی راج میں حلال وحرام کی تمیز اٹھ چکی ہے۔ اس واسطے میں جب تک پوری طرح جان پہچان نہیں کر لیتا میں کسی بھائی کو بھی کھانے کی تکلیف نہیں دیتا۔ حضرت! آپ نے یہ کیا فرمایا مقامی مسلمان نے کہنا شروع کیا۔ معاذ اللہ میں حرام خور نہیں ہوں، یہ چوری کا مال نہیں ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے، میں یہاں منڈی میں آڑھتی ہوں اور بیوپار کر کے روزی کماتا ہوں آپ اس کا وہم نہ کیجئے۔ تو پھر آپ کی تجارت کے کسی مرحلہ میں سود کا لینا دینا نہیں ہوتا مسافر

نے پوچھا۔ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کئی مواقع پر ہم کو منڈی سے قرض لینا پڑتا ہے اور مقررہ شرح پر سود بھی دینا پڑتا ہے اسی طرح تجارتی مال کے ہیر پھیر میں دوسرے تاجروں سے بھی ہم سود وصول کرتے ہیں۔ مقامی مسلمان نے جواب دیا۔ تو بہت اچھا میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو تکلیف ہوئی۔ احکامِ قرآن کے مطابق وہ تجارتی منافع جس میں سود کی آمیزش ہو حلال نہیں کہلا سکتا۔ ممکن ہے کہ آپ تجارتی رسوم یا حکومتی اصرار کے ماتحت مجبور ہوں لیکن میں مجبور نہیں ہوں اس کیلئے مجھے معاف فرمادیں گے۔

اس کے بعد مسافر نے مقامی مسلمان سے رخ پھیر لیا اور قبلے کی طرف منہ کرلیا۔ مقامی مسلمان اس آخری جواب سے سخت مضطرب اور پریشان ہوا۔ وہ برتن گھر پہنچا کر ہمسائے کے ہاں پہنچا اور اس سے کہا کہ مسجد میں ایک بزرگ مسافر آئے ہیں اپنے ہاں سے کھانا لے جائیں۔ یہ ہمسایہ مقامی ہسپتال میں ڈاکٹر تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے کھانا اٹھایا اور مسجد میں جا پہنچے۔ مسافر نے نہایت نرمی اور خوش خوئی کے ساتھ ڈاکٹر سے تعارف اور جان پہچان کی فرمائش کی۔ ڈاکٹر ذرا باتونی تھے کہا مجھ پر اللہ تعالی کا بڑا فضل ہے۔ میری 100 روپے تنخواہ ہے۔ دو چار ہر روز اوپر سے بھی آجاتے ہیں۔ بڑا لڑکا کچہری میں ملازم ہے وہ 75 روپے تنخواہ پاتا ہے اور دو چار روپے روزانہ بھی لے آتا ہے زمین بھی ہے وہاں سے غلہ آتا ہے۔ ڈاکٹر کی کہانی ختم تو مسافر نے انہیں نہایت ہی محبت اور شیرینی سے سمجھایا کہ اسلام میں رشوت ستانی کس قدر بڑا جرم ہے اور آخر میں اپنی معذوری ظاہر کی اور کھانے سے انکار کردیا۔ مسافر کی گفتگو اتنی سنجیدہ اور باوقار تھی کہ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس کے سامنے اپنی گردن جھکا دی اور کھانا اٹھا کر واپس چلے گئے۔ یہاں تاجر صاحب پہلے ہی منتظر تھے یہ دونوں نہایت درد و ندامت کے ساتھ ایک دوسرے کو اپنی کہانی سنا رہے تھے دو چار اور نیک دل مسلمان جمع ہوگئے۔ انہوں نے بھی یہ دونوں کہانیاں سنیں اور محلّے میں عام ہوگئی۔

ڈاکٹر اور تاجر نے مل کر عذر کیا کہ اب کسی زمیندار کے ہاں سے کھانا بھجوانا چاہئے تا کہ اس پر سود یا رشوت کا الزام نہ آسکے پھر زمیندار کے ہاں سے کھانا بھجوایا گیا۔ مسافر نے ان سے پوچھا آپ کے پاس کوئی گروی زمین تو نہیں۔ جب زمیندار نے اس کا اقرار کیا تو مسافر نے انہیں پھیر دیا اور کہا جو شخص مسلمان ہو کر زمین گروی رکھتا ہے اس کی کمائی حرام سے خالی نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد عالم صاحب کو بھیجا گیا ان میں نقص پایا گیا کہ انہوں نے اپنی بہنوں اور لڑکیوں کا شریعت کے مطابق جائیداد میں حصہ نہیں دیا تھا۔ اس واسطے مسافر نے ان کا کھانا بھی رد کر دیا۔ نمازِ مغرب کے بعد سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور اب رات کے 9 بج گئے۔ متعدد مسلمان کھانا لے گئے مگر مسجد سے شرمندہ ونگوں سر ہو کر واپس آئے۔ مسافر قرآنی کسوٹی لئے مسجد میں بیٹھا تھا اور ہر ایک مسلمان کو جو کھانا لے کر جاتا اسی قرآنی کسوٹی پر رکھتا تھا اور شرمندہ کر کے باہر نکال دیتا تھا۔ تمام آبادی میں ہی چرچا شروع تھا اور ان کو بھوک اور نیند بھول گئی۔ جہاں چار لوگ بیٹھتے یہی گفتگو اور ذکر تھا۔ جب کوئی دوسرے کو کہتا کھانا لے جاؤ وہ اسی وقت کانوں پر ہاتھ رکھ لیتا۔ کوئی کہتا میں راشی ہوں۔ کوئی کہتا میں سود خور ہوں، کوئی کہتا کہ میں کم تولتا ہوں، کوئی کہتا میں نے لڑکیوں کو حصہ نہیں دیا۔ مختصر یہ کہ دلوں کے عیوب آج زبانوں پر آگئے اگر چہ اچھرہ میں ہزارہا مسلمان آباد تھے مگر ایک شخص بھی اکل حلال کا مدعی بن کر سامنے نہیں آتا تھا۔

بزرگانِ قصبہ کی گردنیں خم تھیں، حساس مسلمان زمین میں غرق ہوئے جاتے تھے کہ آج ہزارہا مسلمانوں میں ایک شخص بھی نہیں جو ایک ایسے مہمان کو جو اکل حلال کا طالب تھا ایک ہی وقت کا کھانا کھلا سکے۔ رات کے دس بج گئے مگر کسی گھر سے کھانا نہ کھایا۔ اب سوال یہ درپیش تھا کہ یہ مسافر اچھرہ سے بھوکا جائے گا؟ کیا رسول (ﷺ) کے امتی حرام کھانے پر مصر رہیں گے۔ آخر مجمع کے اندر امید کی کرن جلوہ گر ہوئی۔ ایک شخص نے کہا میں ابھی لڑکیوں کو حصہ دیتا ہوں اس نے دے دیا۔ دوسرے نے کہا میں گروی زمین چھوڑتا ہوں اور اس نے چھوڑ دی۔ تیسرے شخص نے کہا میں آج کے بعد سود نہ لوں گا اور اس نے سود کا کاروبار ترک کر دیا۔ مختصر یہ کہ آن کی آن

میں اچھرہ کے بے شمار مسلمانوں پر توبہ استغفار کے دروازے کھل گئے۔ کسی نے رشوت چھوڑ دی، کسی نے جھوٹی گواہی کا پیشہ چھوڑ دیا، کسی نے راگ رنگ سے توبہ کر لی، کسی نے یتیموں کا غصب شدہ مال واپس کر دیا۔ اس کے بعد جماعت کھانا لے کر مسافر کے پاس آئی اور اسے بتایا کہ اچھرہ کے بے شمار مسلمان اب اللہ کی بارگاہ میں جھک گئے ہیں۔ اصلاح و توبہ کے بعد آپ کے پاس آئے ہیں اور یہ کھانا پیش کرتے ہیں۔ مسافر نے جب یہ روداد سنی تو سجدہ میں گر گیا، اس کے بعد دستر خوان بچھایا۔ کھانا چنا گیا جس میں مسافر نے چند لقمے کھائے اور اس کے بعد لوگوں کو رخصت کر دیا۔

صبح کے بعد اچھرہ کے بے شمار مسلمان جوق در جوق مسجد میں آئے تا کہ اس باخدا انسان کی زیارت کریں۔ جس کے زہد بے ریا نے اپنے صرف ایک ہی عمل سے اچھرہ کے آدھے مسلمانوں کو صحیح معنوں میں سچا مسلمان بنا دیا تھا۔ مگر وہ حیرت زدہ رہ گئے جب انہیں بتایا گیا کہ مسافر تہجد کے بعد مسجد سے نکلا تھا اور پھر واپس نہیں آیا۔ یہ ایک واقعہ ہے، جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اہلِ اللہ کس طرح خلقِ خدا کی اصلاح کیا کرتے ہیں۔ مسافر نے کوئی وعظ نہیں کیا، کوئی چلہ نہیں کیا، کوئی کتاب نہیں چھاپی۔ وہ مغرب سے تہجد تک صرف چند گھنٹے اچھرہ کی مسجد میں ٹھہرا مگر جب وہاں سے نکلا تو صدہا مسلمانوں کی اصلاح ہو چکی تھی۔ بے شمار یتیموں کو اپنا حق مل چکا تھا۔ بے شمار لڑکیوں کو اپنا شرعی حصہ مل چکا تھا۔ بہت سے مقروضوں سے اپنا قرضہ وصول کر لیا تھا، بہت سے رشوت خور رشوت ستانی سے باز آ چکے تھے، یہ سب کے سب لوگ تقریباً وہ تھے جن پر صدہا مرتبہ قرآن پڑھا گیا، جنہیں بیسیوں مرتبہ وعظ و نصیحت سنائے گئے۔

مگر وہ ظلم و ستم سے باز نہ آئے لیکن اب وہ ایک ہی رات میں اس طرح از خود گناہوں سے تائب ہو گئے کہ گویا انہوں نے کبھی گناہ نہیں کیا تھا۔ پھر لطف یہ کہ کام نماز مغرب سے شروع ہوا اور اسی رات 11 بجے ختم ہو گیا۔ ایسے ہی باعمل اور باخدا انسان ہیں جن کی نگاہوں سے قوموں اور ملکوں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ آؤ اپنے اندر اخلاص اور صداقت پیدا کریں۔

ایک حکایت ایک سبق

(مرسلہ: غلام یٰسین شاہ)

سلطان نورالدین زنگیؒ کا معمول تھا کہ وہ روزانہ رات کو لوگوں کے مسائل جاننے کیلئے بھیس بدل کر نکلا کرتے تھے۔ایک رات وہ حسبِ معمول بھیس بدل کر نکلے تو اُن کے ہمراہ ایک جاں نثار غلام تھا جس نے ہاتھ میں شمع تھام رکھی تھی۔گشت کے دوران انہوں نے دیکھا کہ ایک طالب علم پڑھائی میں اس انداز سے مصروف ہے کہ جب بھی اسے کتاب پڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے وہ سامنے ایک دکان میں جلتے ہوئے چراغ کے پاس جا کر کتاب پڑھتا ہے اور پھر اپنی جگہ پر آ کر اُسے یاد کرتا ہے۔سلطان نے اُسی وقت اپنے ملازم کو حکم دیا کہ وہ اپنی شمع اُس طالبعلم کو دے دے اور سلطان خود اندھیرے میں واپس محل لوٹ آئے۔اُسی رات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں سلطان نورالدین زنگیؒ کو اپنی زیارت سے فیض یاب فرماتے ہوئے کہا اے نورالدین!خدائے بزرگ و برتر تجھے ایسی عزت بخشے جیسی تُو نے میرے ایک وارث کو دی ہے۔ سلطان نورالدین زنگیؒ کی آنکھ کھلی تو اُنہیں وہ حدیثِ نبوی یاد آئی جس میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔یہ حکایت علم کی اہمیت اور علماء کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعامات کی ترتیب میں جو انعام اللہ رب العزت نے انسان کو سب سے پہلے عطا کیا،وہ علم ہے۔انسانوں اور دیگر مخلوقات میں صرف علم کا فرق ہے یہی وجہ ہے کہ عالم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک عالم شخص شیطان پر ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ سخت تر ہے اور عالم کو دیگر لوگوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کی میراث درہم و دینار نہیں، بلکہ **علم** ہے۔ (بشکریہ: روزنامہ جنگ ملتان)

گناہوں پر ندامت اور سچّی توبہ کی برکت

(مرسلہ: ارم صبا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جب دوسری مرتبہ قحط پڑا اور بارش برسنا بند ہو گئی تو بنی اسرائیل کے لوگ جمع ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی، آپ پروردگار سے بارش کی دعا فرمایئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن لوگوں کو ساتھ لے کر آبادی سے باہر ویرانے میں نکل پڑے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عوام ساتھ تھے، ان کی تعداد کم و بیش ستر ہزار تھی۔ آپ علیہ السلام نے دعا فرمائی: "اے مولائے کریم (رحمٰن و رحیم) ہم پر بارش نازل فرما، اپنی رحمت ہم پر پھیلا اور ہم پر رحم فرما، شیر خوار بچوں کے صدقے، چرنے چگنے والے جانوروں کے طفیل اور نمازی بوڑھوں کے واسطے" ۔ مگر آسمان پہلے سے زیادہ صاف ہو گیا اور سورج کی گرمی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر عرض کیا: "اے میرے پروردگار، تیرے حضور اگر میرا رتبہ کم ہو گیا ہے تو میں نبی آخر الزماں ﷺ کے وسیلے سے دعا کرتا ہوں، ہم پر بارانِ رحمت نازل فرما" وحیِ الٰہی آئی کہ اے موسیٰ! میرے نزدیک آپ کا مرتبہ کم نہیں ہوا ہے اور نہ ہی آپ کی وجاہت میں کمی آئی ہے، مگر (بارش کی دعا مانگنے والے جمِ غفیر) لوگوں میں ایک ایسا شخص ہے جو چالیس سال سے گناہوں کے ذریعے مجھ سے برسرِ پیکار ہے۔ آپ اعلان کر دیں کہ وہ شخص آپ کے مجمع میں سے نکل جائے، میں نے اس کی وجہ سے بارش روک رکھی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے مالک و مولیٰ، میری کمزور آواز ان تمام لوگوں (کے کانوں) تک کیسے پہنچے گی۔ یہ لوگ کم و بیش ستر ہزار ہیں۔ ارشادِ ربانی ہوا: آواز دینا تمہارا کام اور پہنچانا (ان تک) ہمارا کام ہے، چنانچہ آپ نے اعلان کیا: اے چالیس سال سے گناہوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے والے انسان، ہمارے اس مجمع سے باہر نکل جا، تیری ہی وجہ سے اور تیری بداعمالیوں کے

باعث ہم پر بارش نہیں ہو رہی۔اس اعلان کے سننے کے بعد وہ شخص اپنی جگہ سے حرکت میں آیا اور اٹھ کر دیکھنے لگا کہ کیا کوئی اور شخص مجمع میں سے نکل رہا ہے، جو میرے علاوہ گناہ گار ہو، چاروں طرف نظر دوڑا کر دیکھنے پر بھی جب کوئی اور اٹھ کر جاتا نظر نہیں آیا تو اسے یقین ہو گیا کہ یہ حکم مجھے ہی دیا جا رہا ہے۔اس نے فوراً چادر میں منہ چھپا کر انتہائی ندامت اور شرمندگی کے عالم میں سچے دل سے توبہ کی اور عرض کیا: اے غفور و رحیم رب کریم، میں نے چالیس برس تک تیری نافرمانی کی تو تو نے مجھے آزادی دی، اب میں تائب ہو کر تیرے حضور آیا ہوں میری توبہ قبول فرمالے۔

اس کی مناجات اور پُرسوز دعائیں ابھی ختم نہ ہوئی تھیں کہ آسمان پر بادل کا ٹکڑا ظاہر ہوا اور اس زور کی بارش ہوئی جیسے مشک کے منہ کھول دیے گئے ہوں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا: یاربّ! ابھی تک تو کوئی نکل کر گیا بھی نہیں، پھر یہ بارش کیسے نازل ہوئی؟ ارشاد عالی ہوا: پیارے کلیم، جس کے گناہوں کی وجہ سے بارش روکی گئی، اس کی (سچی) توبہ کے باعث میرا موسلادھار کرم برس رہا ہے۔عرض کیا، مجھے اس شخص کو دکھا دے، فرمایا: اے موسیٰ، میں نے اس کی نافرمانی کے زمانے میں اسے رسوا نہیں ہونے دیا، اب وہ فرماں بردار ہو گیا ہے تو اب اسے کیوں نہ رسوا ہونے سے بچاؤں۔میں چغلی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہوں اور خود ہی ایسا کروں؟ میری ذاتِ ستاری و غفاری سے یہ بعید ہے۔

(بشکریہ: روزنامہ جنگ ملتان)

امن عالم اور عالمگیر محبت

(عتیق احمد عباسی)

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے سورۃ الانعام آیت نمبر 81 میں سوال کے انداز میں فرماتے ہیں:

" کون فریق امن کا حقدار ہے۔تم اگر جانتے ہوتو بتاؤ؟

اور اس سے اگلی آیت میں ہی جواب مرحمت فرمادیا کہ " جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم آمیز (یعنی شرک آلود) نہیں کیا۔دونوں جہانوں میں وہی امن اور محفوظ رہنے کے حقدار ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"۔(82)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ منشائے ربانی یہی ہے کہ انسان دنیا میں امن وامان اور سکون سے رہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عالم ارضی میں خلیفہ بنا کر بھیجا۔کامیاب زندگی گزارنے کے لئے ہدایات کا اعلیٰ وارفع انتظام اور انصرام فرمایا تا کہ اس حیات ارضی میں عدل واحسان، باہمی اخوت کا دوردورہ ہو۔انسان ہر قسم کے ظلم وستم سے محفوظ رہ کر ترقی اور کامیابی کی منازل طے کرے۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا قول ہے کہ ہر شخص پہلے اپنی اصلاح کرے پھر گھر والوں اور خاندان کی، اس کے بعد معاشرہ اور ملک گیر اصلاح کی جانب متوجہ ہو۔ اس کے پیش نظر ہم امن کیلئے تین سطحوں (Levels) پر عمل پیرا ہوسکتے ہیں۔

اولاً : انفرادی امن وسکون۔

ثانیاً : معاشرتی اور سیاسی امن۔

ثالثہ : امن عالم۔

انفرادی امن و سکون :

قابل غور بات ہے کہ انصاری صاحبؒ نے ایک فرد کی اصلاح کو کیوں اولیت دی، یہ بات اپنے اندر بے پناہ فصاحت اور گہرائی لئے ہوئے ہے۔گزارش ہے کہ نظام

کائنات میں ہر نظام کی ایک اکائی (Unit) ہے مثلاً پیائش ، اوزان ، رفتار ، پاور وغیرہ اگر (Unit) ہی درست نہ ہوگی تو سارا نظام تلپٹ ہو کر رہ جائے گا ۔ کہیں کمی ہوگی اور کہیں بیشی ۔ اسی طرح نسل بنی نوع انسانی کی اکائی فرد ہی تو ہے ۔ اگر فرد خود ہی صحیح ، نہج وطریق پر نہ ہوگا تو سارے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوگا ۔

ہمارے صوفیائے کرام نے تصوف کی اصلاح میں انسان کو عالم اصغر اور کائنات ارض و سماء کو عالم اکبر کہا ہے ۔ انسان کے باطن میں نہ صرف عالم ارضی بلکہ پوری کائنات منعکس ہے ۔ بقول شیخ سعدیؒ

ستم امت ہوس کش بہ سیر سروِ سمن درآ کہ از خود غنچہ کم نا دمیدہ ای ، در دل کشا چمن درآ

"ستم کی بات ہے کہ تیری ہوس تجھے سرو سمن کے باغات میں بغرض سیر کھینچ لائی ہے ۔ تو تو خود ایک ان کھلی کلی ہے ۔ دل کے دروازے وا اور کشادہ کر چمن خود بخود اس میں چلے آئیں گے" ۔

اور علامہ اقبالؒ نے یوں فرمایا ۔

نظر میری نہیں ممنون سیر عرصۂ ہستی میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں
نہ صہبا ہوں نہ ساقی ہوں نہ مستی ہوں نہ پیمانہ میں اس میخانۂ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں

انسان کے باطن پر عالم اکبر یعنی ارضی و سماوی کائنات کے تمام واقعات حوادث تغیر و تبدل انسان کے داخلی کیفیات پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔ لیکن اس حقیقت سے کتنے لوگ واقف ہیں کہ عالم اصغر ، عالم اکبر یعنی کائنات پر اثر انداز ہوتا ہے ۔ بنی نوع انسان کے افراد کے باطن میں اگر سکون اور اطمینان ہوگا تو لامحالہ ارض و سماوی کائنات پر بھی اس کا عکس پڑے گا اور امن عالم کا قیام ممکن ہو سکے گا ۔

توحید :

امن وسکون کیسے حاصل ہو! ۔ چونکہ اسلام میں ایمان سرفہرست ہے اسلام کی اساس جن بنیادی اعتقادات پر قائم ہے ، ان کے مجموعہ کا نام ایمان ہے ۔ جس کا مادہ ہی "امن" ہے

اور اسی کی وجہ سے نفس انسانی میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔

ایمان کا اصل الاصول کیا ہے۔ایمان باللہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے عبارت ہے یعنی اس ذات باری تعالیٰ پر توکل، کلی اعتماد، تسلیم و رضا اور تفویض، اس کے ساتھ مخلصانہ اور محبانہ ذہنی و قلبی ربط و تعلق جس سے انسان کو حقیقی سکون، راحت اور چین نصیب ہوتا ہے۔اللہ کے ساتھ اسی مخلصانہ اور محبانہ تعلق کا اصطلاحی نام ہی تو، **توحید** ہے۔

انسان کے لئے اپنی منزل اور مقاصد کا تعین ضروری ہے تاکہ وہ ترقی کر سکے۔توحید سے بڑھ کر اعلیٰ و ارفع مقصد کیا ہونا چاہیے۔خواہ اس کے شروع کے ہی مدارج طے کر سکے۔ انسان جب اللہ کے ساتھ ربط و تعلق کی استواری، اور مضبوطی کیلئے استقامت کے ساتھ شاہراہ توحید پر گامزن ہوتا ہے۔تو رفتہ رفتہ انسان کے سینے میں انشراح اور انبساط قلب کی وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو محسوس تو کی جا سکتی ہے۔بیان نہیں ہو سکتی۔اور انسان بالآخر مقام احسان اور مقام رضا پر فائز ہوتا ہے۔جس کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جہاں پر نہ کوئی رنج و الم ہے نہ حزن و ملال نہ ہی کوئی خوف و خطر أَلا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (سورہ یونس آیات 62)

ذرائع امن سکون:

انسان کو داخلی امن اور قلبی سکینت ماسوائے ایمان باللہ یعنی اس کے ساتھ مخلصانہ، محبانہ، مضبوط اور محکم تعلق کے کسی اور ذرائع سے حاصل نہیں ہو سکتا۔اور اس کا ذریعہ خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا۔ذکر الٰہی: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (سورہ رعد)

ہمارے پاس ذکر کیلئے پاس انفاس، نفی اثبات کا ذکر، تلاوت قرآن پاک اور اس پر غور و فکر اور ان کی آبیاری کیلئے دیگر فرائض نہایت سادہ عام فہم زبان میں "تعمیر ملت" اور بالاختصار طریقہ توحیدیہ میں موجود ہیں۔خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تصانیف کا اعادہ کیجئے اور سعی عمل کیجئے

اس لئے تو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے مجلّہ کا ٹائٹل ہی و ذ کر سم ربک وتبتل الیہ تبتیلا ہے

جب انسان کی دنیاوی اور نفسانی خواہشات بڑھتی چلی جاتی ہیں تو انسان ان میں ایسے پھنستے چلے جاتے ہیں جیسے مکھی شیرے میں پھنستی چلی جاتی ہے۔ایک طرف تو باطن متضاد اور مختلف انواع واقسام کی خواہشات کے باہمی تصادم کی آماجگاہ بن جائے گا۔نتیجتاً داخلی انتشار پیدا ہو نگے نا کامیاں، مایوسیاں پیدا ہوں گی باطن جلتا رہے گا۔دوسری جانب ان کی تکمیل کیلئے ہی نہیں بلکہ اپنی بقاء کی جدوجہد، تنافس وتکاثر یعنی طغیان اور معصیت کی صورتحال سے دوچار ہو کر ہر قسم کے جائز ناجائز اور غیر اخلاقی ہتھکنڈے استعمال کرے گا اور اللہ کی زمین فتنہ وفساد سے بھر جائے گی۔

اقوام عالم کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض افراد کے داخلی انتشار اور جذبات کی وجہ سے عظیم جنگیں اور خونریزیاں ہوئیں۔عالم ارضی کا امن تہہ وبالا ہوا۔ہٹلر، مسولینی، ہلاکو اور چنگیز خان وغیرہ کے جذبات احساسات، ذہنی اور قلبی انتشار کے نتیجے میں بے دریغ قتل و غارت گری ہوئی اور عالم ارضی کا امن وسکون اور چین ختم ہوا۔عصر حاضر میں اکثر اسلامی ممالک میں داخلی انتشار اور خلفشار ہے بلکہ ابتری کے سے حالات پیدا ہو چکے ہیں۔مصر اور لیبیا میں کیا ہو رہا ہے۔یہ کیا ہے۔چند صاحب اقتدار اور اختیار افراد کی وجہ سے ہے۔تھوڑا ہی عرصہ قبل شمالی کوریا جنوبی کوریا اور اس کے مدد ومعاون نیوکلیئر وار کیلئے آمنے سامنے ایک دوسرے کے مدمقابل رہے۔ان حضرات کے داخلی امن کا امن عالم سے کتنا گہرا تعلق ہے چند افراد کے ذہنی وقلبی اختلال ہی نہیں بلکہ محض اعصابی تناؤ کی وجہ سے کتنی ہلاکت خیز جنگ چھڑ سکتی ہے۔

حالیہ صورت حال میں آخرت پر ایمان، آخرت میں جوابدہی کا خوف ہی ہے جو اس تمام یعنی، طغیان اور سرکشی کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔بعث بعد الموت، حساب، جزا وسزا کے حقائق کو سامنے لا کر انسان کو قانع اور مناسب حدود پر قائم رہنے کیلئے آمادہ کرتی ہے۔اور یہی ایمان بالآخر ہمیں روح کی بالیدگی، اس کے تغذیہ کے اہتمام کی جانب راغب کرتا ہے۔

حقیقت دنیا

(حجۃ الاسلام امام غزالیؒ)

اے غافل! اس حقیقت کو جان لے کہ تو مسافر ہے اور تو تو شہ سفر سے غافل ہے اس صحرا سے بھی غافل ہے جو تیرے راستے میں پڑتا ہے اس صحرا میں تیری پہلی منزل باپ کی پشت ہے اور دوسری منزل ماں کا رحم ہے پھر تیسری منزل اس دنیا کی فضا ہے۔ پھر چوتھی منزل قبرستان ہے۔ تو قبر میں اسی راستے سے پہنچے گا۔ قبر کی منزل کے بعد تو ایسے صحرا کے کنارے پہنچے گا جس کی انتہا کو مخلوق میں کوئی نہیں جانتا وہ تیری پانچویں منزل قیامت کا میدان ہے۔ اس آخری منزل کے بعد تو اپنے اصلی وطن اور قیام گاہ جنت یا دوزخ میں پہنچے گا خوب سمجھ لے کہ تیرے اوّل و آخر کا یہ حال ہے اور تو دنیا میں اپنی حقیقت کو بھولے ہوئے اور اپنے انجام کو فراموش کئے ہوئے غفلت میں بیٹھا ہے اور اپنا دل اسی کی تدبیر میں لگا رکھا ہے اور دنیا ہی کو اپنا مقصود بنا رکھا ہے گویا تو یہاں سے کوچ نہیں کرے گا اور ہمیشہ یہیں رہے گا اور تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تیری عمر کتنی دراز ہے وہ ازل اور ابد سے بے حد مختصر ہے ازل سے مراد وہ عرصہ دراز ہے جس میں تیرا وجود نہ تھا اس کی کوئی ابتدا نہیں ہے اور ازل سے مراد آئندہ کا عرصہ دراز ہے اور تجھے ازل اور ابد کے درمیان میں کتنے ہی کام کرنا ہیں اور تم اگر ابد کی درازی کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس کائنات کو باجرے سے پر سمجھو اور ایک پرندہ اس باجرے کے ڈھیر میں سے سو ہزار سال میں ایک دانہ کھاتا ہے اور جب ایک عرصہ دراز کے بعد یہ ڈھیر ختم ہو جائے گا اس کے بعد بھی ابد کی درازی میں سے کچھ کم نہ ہوگا کیونکہ اب بھی جو عرصہ باقی رہے گا وہ لامتناہی ہوگا۔ ازل و ابد کے درمیان اس طویل عرصہ میں اپنی چھوٹی سی عمر کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے تو حضرت نوحؑ کے قول کو غور سے سنو جب لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے اس دنیا کو کیسا پایا تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے اس دنیا کو ایسے گھر کی مانند دیکھا جس کے دو دروازے ہوں۔ میں ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے

باہر نکل گیا۔ یہ حضرت نوحؑ کا قول ہے۔آپ اس دنیا میں ساڑھے نوسو برس رہے۔ اور آپ کو اس دنیا سے جا کر قریب قریب پانچ ہزار برس ہوئے ہیں ہر وہ چیز جس کی مقدار متناہی ہوتی ہے اگر وہ طول کھینچے تو تم اس کو ختم سمجھو کیونکہ آخر وہ ایک دن ختم ہونے والی ہے لیکن آخرت وہ ابدیت رکھتی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اگر کسی کو دنیا کی مملکت مشرق سے مغرب تک تمام بلا شرکت غیرے دیدی جائے پھر بھی جب اس کے مرنے کا وقت آجائے گا تو وہ اس کیلئے حسرتوں اور افسوس کا پیش خیمہ ہوگی اور وہ کہے گا کاش مجھے دنیا میں قوت لایموت اتنی غذا جس سے زندگی بسر ہوسکتی ہے سے زیادہ کچھ نہ ملتا اس لئے وہ شخص کیونکر عقلمند ہوسکتا ہے جو ہمیشہ رہنے والی سلطنت آخرت کو ایسی حقیر اور مختصر دنیا کے بدلے میں بیچ دیتا ہے اب جبکہ کسی شخص کو بھی دنیا کی کوئی چیز بلا شرکت غیرے مسلم حاصل نہیں بلکہ وہ اس کیلئے پریشانی خاطر اور تکدر کا باعث ہے تب آخرت کو اس حقیر دنیا کے عوض میں فروخت کرنا کسی عقلمند کا کام نہیں ہوسکتا ہے بلکہ عقلمند جانتا ہے کہ ساری زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ سعادت ابدی کے مقابلے میں اور اللہ تعالیٰ کے خزانہ قدرت میں مٹی کے ڈھیلے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے بلکہ روئے زمین کی ہر لذت اور خوشی اس ڈھیلے کی دھول اور گرد سے زیادہ کچھ نہیں ہے کیونکہ اس گرد وغبار کے اٹھنے' بیٹھ جانے اور اس کے معدوم ہو جانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ بزرگان دین نے کہا ہے کہ اگر دنیا نہ ہوتی مگر ایک فنا ہونے والا زرین کوزہ اور آخرت نہ ہوتی مگر ایک باقی رہنے والا سفالین کوزہ تب اس صورت میں بھی عقلمند وہی ہوتا جو باقی رہنے والے مٹی کے کوزے کو فنا ہونے والے سونے کے کوزے کے مقابلے میں پسند اور اختیار کرتا اب جبکہ دنیا سفالین اور فانی ہے اور آخرت زرین اور باقی ہے اب عقلمندی یہی ہوگی کہ اس ذلیل اور ہیچ اور فنا ہونے والی دنیا کے مقابلے میں ہمیشہ رہنے والی آخرت کو مقدم رکھیں۔

دنیا کو ایک سرا سمجھو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ان مسافروں کیلئے بنایا ہے جو اپنے معبود و مقصود حقیقی کی بارگاہ کا عزم و ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ سرا صحرائے قیامت کے کنارے بنائی گئی ہے اسلئے مسافر باپ کی پیٹھ اور ماں کے رحم سے اپنا لباس حاصل کرتے ہیں اور اس سرا میں پہنچتے ہیں

اور راستہ کا توشہ لیتے ہیں اور دوسری کسی چیز میں مشغول نہیں ہوتے کیونکہ جو کوئی بغیر توشہ اور سامان سفر صحرائے قیامت میں اترے گا وہ ہلاک ہو جائے گا ایسی ہلاکت کہ عذاب سے رہائی نہ ملے گی۔

اگر کوئی دریافت کرے کہ توشہ آخرت اور اس کا سامان کیا ہے کہ میں اس کی تیاری میں مشغول ہو جاؤں اور دنیا سے دست کش رہوں یہ جان لو کہ آخرت کیلئے کوئی توشہ نہیں مگر تقویٰ اور کوئی سامان نہیں مگر ایمان؛ ایمان کی حقیقت کلمہ ہے:

ترجمہ: ''نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے؛ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور پیغمبر ہیں'' جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا: ترجمہ: ''(توشہ اپنے ساتھ لے لو پس بہترین توشہ تقویٰ ہے)''

اور فرمایا: ترجمہ: ''اور نہیں بھیجتے ہم پیغمبروں کو مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے؛ پس جو کوئی ایمان لاتا ہے اور نیکی کرتا ہے پس اس پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں'' اور فرمایا

ترجمہ: ''لاالہ الااللہ میرا قلعہ ہے پس جو میرے قلعہ میں داخل ہوا میرے عذاب سے امن میں رہا''

غرض آخرت کا توشہ اور سامان علم و عمل یعنی ایمان و تقویٰ ہیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ جو کوئی اس مضمون کو پڑھے گا وہ اس کے مصنف کیلئے خدائے عز و جل سے مغفرت طلب کرے گا۔ اور اس دعا میں سید محمد اکبر ہاشمیؒ (مترجم) کو بھی نہ بھولے گا۔

دُعائے مغفرت

چوک اعظم کے بھائی پروفیسر محمد شبیر شاہد کے چچازاد بھائی

غلام رسول خان، بھتیجا شاہد مجید، اور ماموں نور محمد، ماموں عبداللہ

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں

بھائی مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوالِ اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگانِ عظام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات

مصنّف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو اُنہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوّف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوّف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندۂ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

فرموداتِ فقیر

مرتب: میاں علی رضا

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کئے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com